Acc. 9114
K. B. LIBRARY
17.6.76

تاریخ کربلائے معلّٰی

و

حائر الحسین علیہ السلام

مصنفہ

ڈاکٹر عبد الجواد الکلیدار

(عراق)

مترجمہ

محمد باقر النقوی

مولوی فاضل، صدر الافاضل

مدیر اصلاح کھجوا (بہار)

اردو میں دوسری مرتبہ ۱۹۶۵ء میں

مطبع اصلاح کھجوا سیوان (صوبہ بہار) میں شائع ہوئی

قیمت چار روپیہ -/4

کربلائے معلیٰ

جس بات نے کربلائے معلیٰ کو مسلمانوں کا دوسرا کعبہ اور احرار و مفکرین کے لئے اسلامی تاریخ کے تمام ادوار میں قبلہ بنائے رکھا اور قیامت تک بنائے رکھے گی وہ یہ ہے کہ اس سرزمین پر نواسۂ رسول امام حسین علیہ السلام محو آرام ہیں جنہوں نے اسلام کے بنیادی اصول و مبادی و انسانی اقدار کی خاطر خود اپنے کو بھی قربان کر دیا اپنے گھر والوں کو بھی اور اپنے اصحاب و رفقاء کو بھی۔

یہ کربلا برابر آسمانی نور عرب و عجم بلکہ تمام عالم اسلام میں پھیلاتا رہا۔ پیروان اسلام اس سے دین حق کے مبادی و اصول معلوم کرتے ہیں اور غیر مسلم زندگی کا صحیح راستہ۔ یہ کربلا آج کے دن بقول استاد عباس محمود العقاد:۔

"وہ مقدس اور قابل احترام سرزمین ہے کہ مسلمان عبرت اور یاد تازہ کرنے کے لئے اس کی زیارت کو آتے ہیں اور غیر مسلم مشاہدہ و تفکر کے لئے لیکن اگر اس سرزمین کے ساتھ انصاف سے کام لیا جائے تو اس کا حق ہے کہ ہر اس شخص کی زیارت گاہ قرار پائے جو اپنے بنی نوع کی کچھ بھی فضیلت و بزرگی کا قائل اور انسانی اقدار کا تھوڑا بہت بھی معترف ہے۔

ہمیں تو زمین کا کوئی حصہ ایسا نہیں معلوم ہوتا جس کا نام نوع انسانی کے جملہ فضائل و مناقب کے ساتھ وابستہ ہو جیسا حسینؑ کی شہادت کے بعد کربلا کا نام فضائل انسانی سے وابستہ ہو گیا۔

ہر وہ ملکوتی صفت جس کی وجہ سے انسان انسان ہے اور جس کے بغیر اس میں اور جانور میں کوئی فرق نہیں وہ تمام صفتیں شہادت حسینؑ کی بدولت زندہ ہیں اور سرزمین کربلا پر ان کا عملی ثبوت ملتا ہے۔

نوع انسانی کے جتنے بھی اعلیٰ اور روحانی صفات ہیں۔ ایمان فداکاری، ایثار، بیداری ضمیر، حق کو بزرگ سمجھنا، احساس فرائض، مصیبتوں میں پامردی، ظلم و ستم کے آگے سر نہ جھکانا، موت کا مردانہ وار مقابلہ کرنا، اور اسی قسم کے اعلیٰ صفات یہ سب کربلا میں جلوہ گر ہوئے جب سے کہ حسینی قافلہ یہاں آکر فروکش ہوا۔

کربلا کے سوا کسی سرزمین پر بھی نہ یہ روشن صفتیں اکٹھا ہوئیں اور نہ کسی اور موقع پر اس طرح تابندہ ہوئیں جس طرح حادثۂ کربلا میں ہوئیں۔[۵۱]

کیونکہ اس سرزمین پر جو جانکاہ و روح فرسا حادثہ پیش آیا تھا اس نے مسلم اور غیر مسلم دونوں پر قیامت کا اثر کیا یہ ایسی عظیم ترین مصیبت تھی جس نے تاریخ انسانی کی تمام اگلی اور پچھلی مصیبتیں فراموش کردیں کیونکہ یہ مصیبت قومی اور وطنی حدود ہی تک محدود نہیں رہی اور نہ کسی محدود دائرہ اور کسی خاص زمانہ سے متعلق ہے بلکہ جس طرح آفتاب عالمتاب کی کرنیں عالم کے گوشہ گوشہ تک جا پہونچتی ہیں اسی طرح اس حادثہ سے عالم کا گوشہ گوشہ متاثر

---

[۵۱] ابوالشہداء عباس محمود العقاد مطبوعہ مصر

ہوا بقول انگریز مورخ گبن کے :-

"حسینؑ کا روح فرسا واقعۂ شہادت اگرچہ اس واقعہ کو بہت سی صدیاں گزر چکیں اور باوجودیکہ دور دیس میں پیش آیا تھا لیکن شاید ہی کوئی بے حس قسی القلب انسان ایسا ہو جو اس واقعہ کو سن کر لرز نہ اٹھے اور اس کا دل نہ پسیج جائے۔" (تاریخ العرب سید امیر علی ترجمہ ریاض رافت صفحہ [illegible] مطبوعہ مصر)

اس بنا پر اگر تمام مقدس اسلامی شہروں میں صرف کربلا ہی کو ایسی شہرت نصیب ہوئی اور ہر زمانہ میں لاکھوں کروڑوں حساس انسانوں کے دل اس کی طرف کھنچتے رہے ہوں اور مسلمان عبرت حاصل اور یاد تازہ کرنے کے لئے اس کی زیارت کو آئیں اور غیر مسلم نظر و مشاہدہ کے لئے تو کوئی حیرت کی بات نہیں کربلا آج ایسی ہی زیارت گاہ عوام و خواص ہے مختلف ممالک کے مختلف اقوام و قبائل اس کی زیارت کو آتے ہیں اور اس کی یہی کیفیت اس وقت تک باقی رہے گی جب تک اسلام روئے زمین پر باقی ہے اور جب تک دنیا میں انسانی اقدار اور عدل و حریت کے پرستار زندہ رہیں گے۔

کربلا کو تاریخ اسلامی میں دینی حیثیت سے بہت بلند منزلت حاصل ہے بہت سے لوگوں کی نظر میں اسکا درجہ دیگر مقدس مقامات سے بڑھا ہوا ہے اس لئے کہ یہ خالص اسلامی شہر ہے جو جاہلیت کی گمراہی اور کثافتوں سے ہمیشہ پاک رہا اسلام کے زمانہ میں اس کی بنیاد پڑی اور اس کی تشکیل ہوئی اس کی سرزمین میں حسینؑ کے خون کی آمیزش ہے وہ حسینؑ جن کا خون بعینہ رسول خدا کا خون تھا۔

اور باوجودیکہ کربلا کو ایسی قداست اور پاکیزگی حاصل رہی۔ تاریخ میں اس کا

بہت بڑا درجہ رہا۔ مزید یہ کہ اسلامی اور دینی مراکز میں سے ایک بڑا مرکز بھی رہا کہ ہر سال لاکھوں زائرین مختلف ممالک سے اس کی زیارت کو آتے ہیں۔ مگر ان سب کے باوجود کربلا اور اُس کے قدیم وجدید آثار، حالات کے اسیر رہے اُس کے تاریخی حالات بہت کم کتابوں میں ملتے ہیں اور ملتے بھی ہیں تو دیگر واقعات و حوادث کے ضمن میں یا مختلف معاملات کے ذیل میں

اسی کمی نے ہمیں مجبور کیا کہ ہم مختلف قلمی اور مطبوعہ تاریخوں سے اُس کے حالات اکٹھا کریں۔ عوام کی تمناؤں نے اس سلسلہ میں میری ہمت افزائی بھی کی اور ہم برسوں کی محنت و ریاضت کا ثمرہ ناظرین کی خدمت میں پیش کر رہے صرف اس وجہ سے کہ ہمیں کربلا کی مکمل تاریخ اور اُس کے تمام حالات معلوم کرنے کے وسائل نصیب نہیں ہوئے ہمیں مختلف کتابوں میں جو کچھ مل سکا اُس کو ہم نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

اس سے پہلے کربلا کی جتنی تاریخیں لکھی گئی ہیں اس میں حائر اور حیر دونوں کو خلط ملط کر دیا گیا ہے اور شہر کربلا اور قبر مطہر کو ایک کر دیا گیا ہے جیسے دونوں ایک ہی چیزیں ہیں ایک ہی سلسلہ کلام میں کسی موقع پر شہر کربلا کا ذکر ہے۔ کبھی حائر حسینی کا اس میں حرج تو کوئی خاص نہ تھا اس لیے کہ جب شہر کربلا کی تاریخ لکھی جائے گی اُسی میں حائر حسینی کی تاریخ لامحالہ خود ہی آ جائے گی لیکن ہم نے اپنے رسالہ میں شہر کربلا اور حائر حسینی کے حالات الگ الگ لکھے ہیں۔ ہم نے شہر کربلا کی عام تاریخ کے عنوان سے الگ بحث کی ہے اور قدیم زمانوں سے فتوحات اسلامی اور واقعہ کربلا تک الگ حالات بیان کیے ہیں اور حائر مقدس اور ضریح مبارک

کی تاریخ اور اُس پر بارہ صدیوں میں جو انقلابات و حوادث گذرے جو عظیم تبدیلیاں ہوئیں انہدام، تاراجی، اور اموی و عباسی سلاطین کے زمانوں میں جو کچھ ہوا اس پر بھی الگ الگ بیان کیا ہے۔

پہلی فصل

حائر کو دینی حیثیت سے کیا عزّت و احترام اور تقدس حاصل ہے

سرزمین حائر اسلام میں سب سے زیادہ پاکیزہ سرزمین شرف و منزلت میں کعبہ کے ہم سر ہے، ہدایت و حریت کی روشنی یہاں سے سارے عالم میں پھیلی مشرق و مغرب تک اس کا نور پھیلا سرزمین کعبہ پر اس لحاظ سے اُسے فوقیت حاصل ہے کہ یہ سرزمین خالص اسلامی سرزمین ہے اُس میں جاہلیت کا گذر نہیں ہوا نہ اُس سرزمین پر اصنام اور غیر خدا کی پرستش ہوئی اُس کی مٹی میں رسُول اللہ کا خون ملا ہوا ہے اُس کے ذرات میں رسُول اللہ کے گوشت پوست کی آمیزش ہے یہاں فرزند رسُول حسین مظلوم دفن ہیں جنکے گوشت پوست کو پیغمبر خدا نے اپنا گوشت پوست کہا ہے۔ شروع زمانۂ اسلام سے سرزمین کربلا کا تاریخ و حدیث میں تذکرہ ہوتا رہا اور اسکو مختلف ناموں سے ذکر کیا گیا ہے کربلا۔ غاضریہ نینوا۔ عمورا۔ شاطی الفرات۔ شط فرات۔ اسی طرح بعض روایتوں میں ماریہ۔ نواویس طف۔ طف فرات۔ مشہد حسینؑ۔ حائر اور حیر بھی کہا گیا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے نام اسکے ذکر کیے گئے ہیں مگر ان تمام ناموں میں دینی حیثیت سے "حائر" کو زیادہ اہمیت حاصل رہی کیونکہ یہ نام حرمت و تقدس کا احاطہ کیے ہوئے ہے یا اس نام سے بہت سے

اعمال و احکام روایت اور فقہ میں مذکور ہیں مگر باوجودیکہ حائر کو دینی حیثیت سے بہت ہی اہمیت اور عظمت حاصل ہے مگر اب تک نہ تو تاریخی اور لغوی پہلو سے اس سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے نہ فقہ و حدیث کے لحاظ سے ہم یہاں متقدمین و متاخرین علماء و محدثین اور ارباب لغت و تاریخ کے اقوال درج کرتے ہیں۔

دوسری فصل

حائر لغت و تاریخ میں

اس سرزمین کے لیئے جس پر تاریخ کا سب سے بڑا المیہ پیش آیا مختلف نام ہیں اور بغیر کسی فرق و امتیاز کے یہ سرزمین سبھی ناموں سے یاد کی گئی جیسا کہ ہم اوپر کہہ چکے ہیں اسے غاضریہ۔ نینویٰ۔ ماریہ۔ عمورا۔ نواویس۔ شط الفرات شاطی الفرات۔ طف۔ طف فرات۔ حائر۔ حیر۔ اور کربلا کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ کربلا کا نام بھی مثل دیگر ناموں کے تھا یعنی اس نام کو پہلے کوئی خصوصیت نہ تھی جس طرح یہ سرزمین بقیہ دوسرے ناموں سے یاد کی جاتی تھی اسی طرح کربلا کے نام سے بھی مگر جوں جوں زمانہ گذرتا گیا اس نام کو شہرت حاصل ہوتی گئی اور اب یہ سرزمین صرف اسی نام سے مشہور ہے۔

کربلا کے علاوہ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی سرزمین ہو جس کے اتنے بے شمار نام ہوں۔ ایک سرزمین کے لیئے اتنے نام ہونا اور ان کا مشترک ہونا ایسی چیز نہیں کہ جسے نظر انداز کیا جائے۔ ناموں کی کثرت کے کئی اسباب اور احتمالات ہوسکتے ہیں مثلاً

یہ کہ بعض نام عام ہوں اور زیادہ وسیع علاقہ کو شامل ہوں اور بعض خاص ہوں مختصر سے علاقہ کے لیئے مخصوص ہوں۔ جیسا کہ عموماً ہر مقام پر ہوا کرتا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان مذکورہ ناموں میں بعض نام ہوں بعض صفات مگر صفات کی شہرت بھی اتنی ہی ہو گئی جتنی نام کی ہو سکتی تھی۔

حائر اور حیر بھی منجملہ ان بیشمار ناموں کے ہیں جو عصر اوّل میں اُس جگہ کیلئے استعمال ہوتے تھے انتساب کے موقع پر کربلا کے بجائے زیادہ تر حائر کا لفظ استعمال ہوتا تھا اور کربلا کے رہنے والے کو حائری کہا جاتا تھا حائر اسم فاعل ہے حار یحیر حیرناً سے عربی میں کہتے ہیں تحیر الماء پانی ایک جگہ چکر کھا کر اکٹھا ہو گیا تحیرت الارض بالماء زمین پانی سے بھر گئی اسکی جمع حوران اور حیران دونوں آتی ہیں۔ حائر اس سطح مستوی کو کہتے ہیں جس کے کنارے اونچے ہوں، دوسرے لفظوں میں وہ نشیبی جگہ جسکے اطراف و جوانب بلند ہوں ایک گہرے حوض کی طرح جس میں بارش کا پانی اکٹھا ہو جائے۔

اس نشیبی جگہ کو حائر اس وجہ سے کہا جانے لگا کہ جب ہوا چلتی ہے تو اُس کے پانی میں لہریں اُٹھ اُٹھ کر کنارے کی طرف جاتی ہیں اور چونکہ کنارہ اونچائی پر ہوتا ہے تو وہ لہر پھر پلٹ آتی ہیں اس طرح وہ حیران رہ جاتی ہیں اور انہیں باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملتا۔ کربلا کے بعض حصہ کو بھی شاید بہت پہلے ہی سے اسی لیئے حائر کہا جاتا ہو کہ کربلا کی زمین میں بعض نشیبی زمینیں ہیں جہاں بارش کا پانی بہہ کر آتا تھا۔ آجکل بھی کربلا میں بعض ایسے حصے موجود ہیں اور وہاں کی میونسپلٹی ایسی نشیبی زمینوں کو اب تک پاٹ کر برابر نہ کر سکی۔ تمام رواۃ و محدثین۔ ارباب لغت تاریخ اور جغرافیہ اس بات پر متفق ہیں کہ کربلا

کا نام حائر ہے اخبارات و روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شروع زمانۂ اسلام سے کربلا اسی نام سے مشہور تھا اس کا ذکر تاریخ طبری میں حیر کے نام سے ہوا اور حیر اہل لغت کے نزدیک لفظ حائر کا مخفف ہے۔ (طبری جلد ۱ ص ۱۱)

یاقوت حموی لکھتے ہیں:-

"حائر قبر حسینؑ کا نام ہے"

اس کے بعد پھر لکھتے ہیں:-

"جب کربلا کہنا ہوتا ہے تو لوگ مطلقاً لفظ حیر استعمال کرتے ہیں"

اس کا مطلب یہ ہوا کہ علامہ حموی کے نزدیک حائر اور حیر میں فرق ہے حائر قبر حسینی کو کہتے ہیں اور حیر پورے کربلا کو اور یہی صحیح بھی ہے۔ البتہ طبری کی مذکورہ روایت سے حیر اور حائر میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔

تاج العروس میں ہے کہ:-

"حائر اس مقام کا نام ہے جہاں امام مظلوم و شہید ابو عبد اللہ الحسینؑ کی قبر ہے"

اس کا مطلب یہ ہے کہ قبر امام مظلوم حائر کے وسط میں ہے۔

قاموس میں بھی تقریباً یہی معنی لکھے ہیں۔

"حائر میں امام حسینؑ کی قبر ہے"

مراصد الاطلاع میں ہے کہ:-

"حائر وہ جگہ ہے جہاں امام حسینؑ کی قبر ہے اس لیے کہ آپ کی قبر نشیبی جگہ میں ہے جس کے کنارے بلند ہیں"

طریحی مجمع البحرین میں لکھتے ہیں۔

"حدیث میں حائر کا ذکر آیا ہے۔ حائر اصل میں پانی جمع ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں اس سے مراد حائر حسینی ہے اور یہ وہ جگہ ہے جسے روضۂ امام مظلوم کی چاردیواری گھیرے ہوئے ہے"۔

دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں حائر کے تحت لکھا ہے۔

"حائر اور حیر دونوں کربلا کے نام ہیں"۔

رہ گئیں روایات و احادیث تو ان میں حائر کی لفظ کبھی تو کربلا کے لیے استعمال کی گئی اور کبھی خاص اُس جگہ کے لیے جہاں امام مظلوم کی قبر ہے۔

ان تمام اقوال کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حائر اور حیر کربلا ہی کے دو نام ہیں کربلا کو کبھی حائر سے یاد کیا گیا کبھی حیر کی لفظ سے البتہ ان تمام اقوال سے دو باتوں کا انکشاف نہیں ہوتا۔

(۱) کربلا کا حائر یا حیر کیوں نام پڑا؟

(۲) کربلا کا یہ نام کب سے پڑا۔ کیا یہ نام اسلام کے پہلے سے ہے یعنی جس زمانہ میں یہاں ایرانیوں کا اقتدار قائم تھا اسی وقت سے یہ نام چلا آرہا ہے یا مسلمانوں کا اقتدار قائم ہونے کے بعد یہ نام پڑا؟۔ اگر اسلامی حکومت میں داخل ہونے کے بعد یہ نام پڑا تو امام حسینؑ کی شہادت کے پہلے یہ نام پڑ چکا تھا یا شہادت کے بعد پڑا؟۔

باوجودیکہ ان تمام باتوں کی تاریخی اہمیت تھی مگر کتابوں میں ان دونوں باتوں کی طرف کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اسی بنا پر ہم آج یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ حائر سرزمین کربلا کی صفت اور اسکی طبعی حالت کا نام ہے جیسا کہ اہل لغت کہتے ہیں یا فی الحقیقت یہ اس عمارت

کا نام ہے جو ضریح اقدس کے ارد گرد بنائی گئی اور پہلی ہی عمارت بننے کے بعد اس کا نام حائر پڑ گیا۔

اگر حائر زمین کربلا کی صفت ہے یعنی چونکہ سرزمین کربلا نشیب میں واقع ہو اسلئے اس کو حائر کہا جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ واقعۂ کربلا کے پہلے ہی سے یہ اس کا نام ہے چلا آرہا ہے بلکہ فتوحات اسلامیہ کے پہلے سے جبکہ ایرانیوں کی مملکت میں شامل تھا۔ لیکن یہ بات آج تک پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچ سکی کیونکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ملتی اور اگر ضریح اقدس کے ارد گرد عمارت بننے کے بعد اس عمارت کا نام حائر پڑا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد اس سرزمین کا نام حائر پڑا۔

تیسری فصل

حائر فقہ اور حدیث میں

حائر کے حدود اور پیمائش

اگر حائر کو اُسکے لغوی اور اصطلاحی معنی میں لیا جائے یعنی نشیبی جگہ تو اس کے حدود کی تعیین اور پیمائش بہت دشوار ہے کیونکہ یہ سرزمین کئی مرتبہ آباد ہوئی کئی مرتبہ اُجڑی ظاہر ہے کہ بار بار بننے اور اجڑنے میں کہیں نشیبی جگہ بھر گئی ہوگی اور جہاں کہیں نشیب نہ ہو گا وہاں نشیب ہو گیا ہو گا اور اگر عرفی معنی لیے جائیں تو اس کی حد بندی اور پیمائش میں ہمیں اخبار و حدیث کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔

اِن روایات و اخبار میں اگرچہ کافی اختلافات ہیں مگر یہی روایات و اخبارات تاریخی دستاویزات ہیں اور ایک جویائے تحقیق کو بوقت ضرورت لامحالہ انہیں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اس لیے کہ یہ روایات اخبارات ہی حائر کے حدود متعین کر سکتے ہیں اور سابق زمانہ میں عرفاً اور عادتاً جس خطہ پر اس کا اطلاق ہو سکتا تھا اُس کی نشان دہی کر سکتے ہیں۔

ہم اِن روایات و اخبار کا خلاصہ ذیل درج کرتے ہیں:۔

رواۃ نے حرم اور حائر میں فرق کیا ہے۔ اُن کے نزدیک حائر کے حدود امام جعفر صادق ؑ سے مروی دو روایتوں میں ہے کہ:۔

"قبر امام حسین ؑ سے ۲۰ ہاتھ مشرق۔ ۲۰ ہاتھ مغرب۔ ۲۰ ہاتھ شمال ۲۰ ہاتھ جنوب۔ ساری زمین حائر میں داخل ہے۔"

چنانچہ عبد اللہ بن سنان کی روایت میں مذکور ہے کہ:۔

"امام حسین ؑ کی قبر کے ۲۰ ہاتھ مشرق ۲۰ ہاتھ مغرب ۲۰ ہاتھ شمال ۲۰ ہاتھ جنوب کی زمین باغیچہ باغہائے جنت میں سے ہے۔" (مزار البحار ص۱۴۱، کامل الزیارات لابن قولویہ ص۲۲۲، الحدائق الناضرہ، شیخ یوسف بحرینی جلد ۳ ص۲۵۳ طبع ایران)

اور بعض روایات میں بجائے ۲۰ ہاتھ ۲۵ ہاتھ مذکور ہے چنانچہ اسحاق بن عمار نے حضرت امام جعفر صادق ؑ سے روایت کی ہے امام ؑ نے فرمایا:۔

"مجھے قبر حسین ؑ کی حرمت معلوم ہے جو شخص اُسے پہچان کر یہاں پناہ لے اُسے پناہ حاصل ہے میں نے عرض کی میں آپ پر قربان، قبر حسین ؑ کی تعیین فرما دیجئے

امامؑ نے فرمایا قبر کی جگہ سے ۲۵ ہاتھ پیر کی جانب پیمائش کرو، ۲۵ ہاتھ چہرے کی طرف ناپو، ۲۵ ہاتھ پشت کی جانب اور ۲۵ ہاتھ سر کی جانب اور آپ کے قبر کی جگہ جس دن سے کہ آپ مدفون ہوئے ایک باغ ہے باغہائے جنت سے اور اسی جگہ سے زائروں کے اعمال کو آسمان پر معراج ہوتی ہے۔

(کامل الزیارت لابن قولویہ ص۲۷۲، مزار البحار ص۱۱۱، نزہۃ اہل الحرمین ص۱۲)

ان دونوں روایتوں کے مطابق اگر ہم ایک ہاتھ کو کم و بیش آدھا میٹر فرض کریں تو اس بنا پر تقریباً ۶۲۲ میٹر مربع زمین حائر میں داخل ہے۔ یہ پیمائش علامہ محمد ابن ادریس حلی المتوفی ۵۹۸ھ ہجری کی پیمائش کے مطابق ہے وہ اپنی کتاب السرائر میں لکھتے ہیں:-

"حائر سے مراد وہ زمین ہے جو روضۂ حسینی اور وہاں بنی ہوئی مسجد کے چاروں طرف ہے یہی زمین حقیقتاً حائر ہے اس لیے کہ لسان العرب میں حائر اس نشیبی زمین کو کہتے ہیں جس میں پانی چکر کھا کر رہ جائے۔

(مزار البحار ص۱۱۲، حدائق الناضرہ، شیخ یوسف بحرینی جلد ۲ ص۲۲۵، کتاب الصلوٰۃ، کتاب السرائر۔)

(۲) حرم اور حائر

حرم جیسا کہ اخبار و روایات میں مذکور ہے۔ حائر سے بہت زیادہ وسیع زمین ہے کیونکہ یہ بہت بڑے خطہ کو حاوی ہے جس کے بیچ میں حائر پڑتا ہے حائر کے چاروں طرف ایک ایک فرسخ بڑھ کر حرم ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ چار فرسخ علاقہ کی زمین حرم میں داخل ہے جس کے بیچوں بیچ قبر حسینیؑ ہے چنانچہ محمد ابن اسماعیل نے امام

جعفر صادق ؑ سے روایت کی ہے کہ :۔

"حرم، قبر حسین ؑ کے چاروں طرف ایک ایک فرسخ کی زمین پر مشتمل ہے"

(کامل الزیارت ص۲۷۲، البحار ص۱۴۲، حدائق الناضرہ جلد ۲ ص۲۱۵)

ایک دوسرے قول کے مطابق ۴ فرسخ مربع علاقہ حرم ہے۔
تیسرے قول کے مطابق قبر مطہر کے چاروں طرف پانچ پانچ فرسخ کا علاقہ حرم میں داخل ہے۔

منصور ابن عباس نے امام جعفر صادق ؑ سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ :۔

"حرم قبر حسین ؑ۔ قبر کے چاروں طرف پانچ فرسخ ہے"

(کامل الزیارت ص۲۷۲، مزار البحار ص۱۴۲، حدائق الناضرہ جلد ۲ ص۲۱۵)

مگر بعض علماء ان اقوال کو ضعیف قرار دیتے ہیں اُن کا نظریہ یہ ہے کہ قبر حسینی کے چاروں طرف ۲۵-۲۵ ہاتھ زمین بس حائر ہے جیسا کہ علامہ ابن ادریس نے لکھا ہے کہ :۔

"حائر سے مراد وہ خطۂ زمین ہے جو روضۂ اقدس کی چاردیواری اور اس میں بنی ہوئی مسجد کو گھیرے ہوئے ہے یہ چاردیواری جو علامہ ابن ادریس المتوفی ۵۹۸ھ کے زمانہ میں قائم تھی یہ وہی چاردیواری ہے جسے ابن سہلان رام ہرمز وزیر سلطان الدولہ بویہ الدیلمی نے حائر حسینی کی آتشزدگی کے بعد ۴۰۷ ہجری میں تعمیر کرایا تھا جو دو بڑی شمعوں کے ضریح پر گر پڑنے کی وجہ سے پورے حائر حسینی میں پھیل گئی تھی اور پوری عمارت جل کر خاک ہو گئی تھی۔

غرضکہ حائر کی حد بندی کرنے کے لیے بہر حال اس کے اولیں زمانۂ تعمیر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور ان روایات کو پیش نظر رکھنا پڑے گا جو امام جعفر صادق ؑ سے

مروی ہیں۔

مزید برآں اہل لغت نے حائر کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے کہ وہ نشیبی زمین جس میں پانی چکر کھا کر رہ جائے۔

(۳) حرم اور اس کے حدود پیمائش

حرم اور حائر میں رواۃ کے نزدیک بظاہر فرق ہے۔

حرم اس خطہ کا نام ہے جو اپنی پاکیزگی کے سبب جائے اُنس ہے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ:

حرمة قبر الحسین فرسخ من اربعة جوانب

قبر امام مظلوم کے چاروں طرف ایک ایک فرسخ کا علاقہ قبر حسینی کا حرم اور مقدس علاقہ ہے۔

یا یہ کہ قبر حسینی کے چاروں طرف پانچ پانچ فرسخ کا علاقہ حرم میں داخل ہے۔ لیکن یہ وسیع علاقہ بہرحال حائر کے حدود سے خارج ہے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ حرم اصل میں عبارت ہے ۱۶ مربع میل کے علاقہ سے جو امام مظلوم نے کربلا میں وارد ہونے کے بعد ساٹھ ہزار درہم میں باشندگان غاضریہ سے خرید کیا تھا اور یہ علاقہ انھیں لوگوں کے حوالے کر دیا تھا اس شرط پر کہ ہماری زیارت کو جو لوگ آئیں اُن کی ۳ روز تک ضیافت کرنا اور ہماری قبر تک اُن کی رہنمائی کرنا۔

چنانچہ محمد ابن احمد بن داؤد قمی نے کتاب الزیارت میں اور علامہ مجلسیؒ

نے اپنی کشکول میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

"بیان کیا جاتا ہے کہ امام حسینؑ نے اہل نینوی و غاضریہ سے اپنی قبر کے ارد گرد کی زمین ساٹھ ہزار درہم میں خریدی اور یہ زمین انہیں کے حوالے کر دی اس شرط پر کہ ہمارے زائرین کی ہماری قبر تک رہنمائی کرنا اور تین دن تک اُنکی ضیافت کرنا۔ (کشکول شیخ بہائی ص [illegible] طبع مصر)

پھر اسی روایت کے ضمن میں علامہ بہائی نے آراضی کی پیمائش بتائی ہے اور لکھا ہے کہ:۔

یہ امام حسینؑ کا حرم ہے جیسا کہ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ امام حسینؑ کا حرم ۱۶ مربع میل کا علاقہ ہے یہ آپ کی اولاد اور آپ کے دوستوں کے لیے حلال اور مخالفین پر حرام ہے اور اس حرم میں برکت ہے۔

امام حسینؑ کے اس خطۂ زمین کو وقف کر دینے کے بعد اس زمین کے اولاد امام مظلوم اور آپ کے دوستوں کے لیے حلال ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اہل غاضریہ و نینوا نے ان شرائط کو پورا نہیں کیا چنانچہ علامہؒ ابن طاؤس نے محمد بن داؤد سے ایک روایت کی ہے کہ سید جلیل طاؤسؒ نے بیان کیا کہ یہ خطۂ زمین وقف کر دینے کے باوجود امامؑ کی اولاد اور آپ کے شیعوں کے لئے اسلئے حلال ہوئی کہ اہل غاضریہ و نینوی نے ان شرطوں کو پورا نہیں کیا۔ (کشکول بہائی ص [illegible])

بعض لوگوں کے خیال میں حرم میں وہ تمام زمین داخل ہے جو کربلا کی سرزمین سے ملی ہوئی اور جس میں حسینؑ کے خون کی آمیزش ہے اور اس خون کی آمیزش ہی کی وجہ سے اس زمین کو یہ حرمت نصیب ہوئی۔

بہرحال رُوات و محدثین نے حرم اور حائر میں جو فرق کیا ہے اس کی کوئی تاریخی وجہ نہیں بلکہ اس کا سبب مذہبی مسئلہ ہے اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ مسافر زائرین کو چار مقامات پر اختیار ہے کہ چاہیں تو نماز قصر پڑھیں چاہیں تو پوری پڑھیں بعض علماء نے پوری نماز پڑھنے کو واجب قرار دیا ہے۔ مکہ اور مدینہ کے متعلق اجماع و اتفاق ہے علماء کا کہ وہاں پہونچ مسافر کو نماز پوری ہی پڑھنا چاہیئے مکہ کے لیئے تو یہ حکم ہے کہ پورے شہر مکہ میں نماز پوری پڑھی جائے اس لیئے کہ مکہ معظمہ پورا حرم خدا وندی ہے اور مدینہ منورہ میں خاص مسجد نبویؐ کے اندر حکم ہے کہ نماز پوری پڑھی جائے مگر مسجد کے انھیں حدود میں جو قدیمی ہے رسول اللہ کے زمانہ میں جتنے قطعہ زمین پر مسجد بنی تھی بس اتنے ہی حصہ پر نماز پوری پڑھی جائے گی بعد میں جو اضافے خلفاء و سلاطین بنی اُمیہ وغیرہ کے زمانہ میں ہوئے اُن کے اندر یہ حکم نہیں۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو یہ خصوصیت اس بناء پر حاصل ہے کہ ان مقامات پر مسلمان پہونچ کر گویا اپنے گھر اور وطن میں ہوتا ہے یہ دونوں جگہیں دنیا بھر کے مسلمانوں کی ملکیت ہیں۔

دو مقامات پر اختیار ہے کہ چاہے مسافر پوری نماز پڑھے چاہے قصر کرے ایک مسجد کوفہ دوسرے حائر حسینی۔ بہتر یہی ہے کہ پوری نماز پڑھے۔

اسی مسئلہ کی تشریح اور وضاحت کے لیئے فقہاء مجبور ہوئے کہ اپنے مؤلفات میں حائر کے حدود سے بحث کریں ان روایات کی روشنی میں جو اس کے بارے میں وارد ہوگئے ہیں۔

غرضکہ رواۃ و محدثین نے حائر کی حد بندی اور ائمہؑ کے حدود کی تعیین میں اس وجہ

جو کد و کاوش کی ہے اس کی وجہ محض مذہبی مسئلہ ہے تاکہ ان حدود سے کہیں تجاوز نہ ہونے پائے۔ جو امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں اس کے حدود تھے فقہا و محدثین کی طول طویل بحثوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حائر اور حیر کو لوگوں نے خلط ملط کر دیا تھا یعنی لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو گئی تھی کہ حائر اور حیر دونوں ایک چیز ہیں لہذا جو حائر کا حکم ہے وہی حیر کا بھی۔ یہ غلط فہمی ابتداءً عوام الناس میں پیدا ہوئی پھر چھٹی صدی ہجری کے آخر تک یہ اشتباہی کیفیت باقی رہی یہاں تک کہ علامہ ابن ادریس نے ۵۸۸ھ ہجری میں اپنی کتاب السرائر کے باب الصلوٰۃ میں حائر اور حیر میں صاف لفظوں میں تفریق فرمائی آپ کی لفظیں یہ ہیں۔

المراد بالحائر ما دار علیہ سور المشهد

حائر سے مراد وہ قطعہ زمین ہے جس کو روضہ کی چہار دیواری گھیرے ہوئے ہے نہ کہ شہر پناہ کے اندر کی ساری زمین۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن ادریس کے زمانہ تک لوگ حائر و حیر ایک ہی چیز سمجھتے تھے یعنی قبر مطہر اور شہر کے درمیان فرق نہیں کرتے تھے اور اسی فرق نہ کرنے کی وجہ سے حائر کے جو خصوصی احکام ہیں وہ شہر کربلا کے لئے بھی قرار دیتے اسی لئے ابن ادریس کو ضرورت محسوس ہوئی کہ دونوں میں فرق بیان کر دیں۔

(۴) حائر کی حد بندی کے متعلق متاخرین کا اختلاف

متاخرین کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن ادریس کی وضاحت کے باوجود بعد میں بھی یہ اشتباہی کیفیت باقی رہی حائر اور حیر کا ایک حکم سمجھا جاتا رہا اور

حائر کو بجائے اصلی حدود میں محدود سمجھنے کے اس سے وسیع تر علاقہ پر محیط قرار دیا ہوا تھا رہا اس سلسلہ میں علماء کے بیشمار اور مختلف اقوال ہیں کسی نے کچھ کہا ہے کسی نے کچھ مگر باوجود ان بیشمار اقوال کے آجکل کے علماء نے توقف سے کام لیا ہے اُن کا مسلک یہ ہے کہ حائر کے حدود جس حد تک یقینی ہیں اور جس میں کسی اختلاف کی گنجائش نہیں بس اتنی ہی جگہ پر مسافر زائر کو اختیار ہے کہ نماز پوری پڑھے یا قصر کرے۔

شیخ جعفر تستری جو تیرھویں صدی کے فقہاء میں بہت نمایاں اور ممتاز شخصیت کے بزرگ ہیں اُنھوں نے تمام علماء کے اقوال کو ذکر کرنے کے بعد ترجیح اسی کو دی ہے کہ قصر و اتمام کا اختیار بس روضۂ مقدسہ کے اندر ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں :-

"ہمارے علماء نے حائر کی حد بندی میں اختلاف کیا ہے۔ ابن ادریسؒ نے فرمایا ہے کہ حائر سے مراد وہ قطعۂ زمین ہے جسے روضۂ مقدسہ کی چار دیواری گھیرے ہوئے ہے۔ بعض دوسرے علماء کا قول ہے کہ حائر میں روضہ کا پورا صحن داخل ہے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ حائر بس اتنا ہی حصہ ہے جتنے حصہ پر قبہ بنا ہوا ہے ایک قول یہ ہے کہ حائر میں روضۂ مقدسہ اور قدیمی عمارتیں بھی شامل ہیں یعنی رواق۔ مقتل۔ خزانہ وغیرہ۔ مجلسیؒ کا قول یہ ہے کہ قدیمی صحن کا مجموعہ حائر ہے شاہان صفویہ نے اپنے عہد حکومت میں صحن میں جو اضافے کئے وہ حائر میں داخل نہیں۔ غرضکہ اسی طرح کے اور بہت سے اقوال ہیں لیکن نتیجہ یہ ہے کہ حائر کی واقعی حد بندی کسی کو نہیں معلوم احوط یہی ہے کہ روضۂ مقدسہ پر اکتفا کی جائے (یعنی نماز کے قصر و اتمام کو بس روضۂ مقدسہ کے اندر ہی محدود سمجھا جائے)" (کتاب خصائص الحسین صفحہ ۱۰۰۔ شیخ تستری المتوفی ۱۳۰۳ھ)

(مطبوعہ ایران)

تو چونکہ علامۂ تستری کے نزدیک حائر کی صحیح حدبندی آج تک یقینی طور پر معلوم نہ ہو سکی لہٰذا ان کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ بس اسی حد تک اکتفا کی جائے جس میں کسی کو اختلاف نہیں یعنی روضۂ مقدسہ یعنی حرم شریف کا اندرونی حصہ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام جعفر صادقؑ نے اپنے زمانہ میں جو حائر کے حدود متعین کیے تھے یقینی طور پر اتنا ہی حصہ حائر ہے اور اتنے ہی حصہ میں مسافر کو اختیار ہے کہ چاہے نماز قصر کرے چاہے اتمام کرے۔

چوتھی فصل

حرم و حائر کے علاقے اور اُن کے درجات فضیلت وغیرہ

اس جگہ حرم سے مراد وہ حرم نہیں جو عام طور پر لوگوں کی زبان جاری ہے یعنی روضۂ مقدس کا اندرونی حصہ بلکہ مراد وہ علاقے ہیں جن کے متعلق روایتوں میں وارد ہوا ہے کہ قبر مُطہر کی وجہ سے یہ علاقہ محترم ہے اور اقوال معصومینؑ سے اُن کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ یہ علاقے پھیلاؤ اور وسعت کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ سب سے زیادہ محترم اور مقدس جگہ وہ مختصر اور محدود دائرہ ہے جس دائرہ میں قبر حسینیؑ واقع ہے یعنی قبر حسینی سے ٢٠-٢٠ ہاتھ چاروں طرف۔ پھر اس سے بڑا دائرہ قبر سے ٢٥-٢٥ ہاتھ چاروں طرف پھر اس سے بھی بڑا دائرہ جو قبر کے چاروں طرف ایک فرسخ زمین پر مشتمل ہے۔ پھر اس سے بڑا دائرہ جو قبر حسینی کے چاروں

طرف چار چار میل کے علاقہ پر مشتمل ہو۔ پھر اس سے بڑا دائرہ جو قبر حسینیؑ کے چاروں طرف چار چار فرسخ پر مشتمل ہے پھر اس سے بڑا دائرہ قبر حسینیؑ کے چاروں طرف پانچ پانچ فرسخ کے علاقہ پر مشتمل۔ غرضکہ مختلف احادیث و روایات میں حرم کے جیسے جیسے حدود اور پیمائشیں مذکور ہیں ان روایتوں کے بنا پر یہ سارے دائرے حرم میں داخل سمجھے جائینگے لیکن یہ تمام دائرے شرف اور فضیلت میں حائر کے برابر نہیں اسلئے کہ حرم کا دائرہ جتنا بڑھتا جائے گا اتنا ہی حائر اور نقطہ مرکزی یعنی قبر حسینیؑ سے اس کی مسافت دور ہوتی جائیگی اور جتنی مسافت دور ہوتی جائے گی اتنا ہی شرف و فضیلت کم ہوتی جائے گی اور اس کے برعکس جتنا دائرہ چھوٹا ہوتا جائے گا اتنا ہی شرف و فضیلت بڑھتی جائے گی۔

چنانچہ مجلسیؒ بحار الانوار میں کتاب المصباح سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان احادیث کے بموجب ان مقامات کے فضل و شرف کے درجات میں بعید ترین علاقہ حرم کا پانچ فرسخ والا ہے اور قریب ترین علاقہ قبر مطہر سے ایک فرسخ کا ہے اور ایک فرسخ سے بھی زیادہ اشرف و افضل قبر مطہر سے ۲۵ ہاتھ چاروں طرف کی زمین ہے اور ۲۵ ہاتھ سے بھی زیادہ اشرف و افضل قبر مطہر سے ۲۰۔۳۰ ہاتھ چاروں طرف کی زمین ہے۔"

غرضکہ قبر حسینیؑ سے جو زمین جتنا قریب ہے اتنا ہی اس کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور جو زمین جتنی دور ہے اس کا فضل و شرف اتنا ہی کم ہے اس بنا پر حائر کی جو زمین قبر مطہر سے ۲۰۔۳۰ ہاتھ کے فاصلہ تک ہے پورے خطہ میں سب سے بلند مرتبہ اور افضل و اشرف ہے۔

اسلام میں بس کربلا ہی کو یہ شرف حاصل ہے یہ شرف و منزلت کسی اور زمین

کا کیا ذکر مکہ معظمہ کو بھی حاصل نہیں اور غالباً اس کی وجہ وہی ہے جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ کربلا کی زمین میں حسینؑ کا خون ملا ہوا ہے۔

غرضیکہ کربلا کا پورا علاقہ مقدس و محترم اگرچہ قبر حسینی سے نزدیکی اور دوری کے لحاظ سے اس سرزمین کے درجات میں فرق ہے مگر پھر بھی اس پورے خطہ کربلا پر حرم کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ کلینیؒ کی وہ روایت بتاتی ہے جو انھوں نے امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا۔

"جب تم امام مظلومؑ کی زیارت کو آؤ تو پہلے فرات میں غسل کرو، پاکیزہ کپڑے پہنو پھر برہنہ پا روانہ ہو کیونکہ اس وقت تم ایک حرم میں ہو گے حرم پاک خدا اور رسولؐ سے الخ"

بہرحال یہ امر واقعہ ہے کہ حائر کا دائرہ بہت محدود ہے جیسا کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حائر کے اصلی حدود وہی ہیں جن حدود میں سب سے پہلی عمارت قبر حسینی پر تعمیر ہوئی تھی اس عمارت میں زیبائش و آرائش تو کچھ نہ کچھ برابر ہوتی رہی مگر عمارت میں اضافہ نہیں ہوا وہ انھیں حدود میں امام جعفر صادقؑ کے زمانہ تک قائم رہی اس سلسلہ میں بہت سی حدیثیں بھی متعدد طریقوں سے وارد ہیں جن میں حائر مقدس کی حد بندی مذکور ہے کہ قبر حسینی سے ۲۰۔۲۰ ہاتھ یا ۲۵۔۲۵ ہاتھ چاروں طرف کی زمین حائر ہے۔

مختصر یہ کہ روایات و اخبار سے معلوم ہوتا ہے کہ حائر نام ہے اس عمارت کا جو قبر مطہر کے گرد واقعہ کربلا کے بعد پہلی مرتبہ بنی۔

دوسرا باب

حائر اور حیر کی تاریخی تحقیق

پہلی فصل

سابقہ صفحات میں حائر مقدس کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی اب ایک بات یہ باقی رہ جاتی ہے کہ روضۂ امام حسینؑ کو حائر کب سے کہا جانے لگا۔ اس باب میں ہم اسی کا تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔ واقعۂ کربلا سے پہلے نہ تو کسی حدیث ہی سے پتہ چلتا ہے کہ کربلا کو حائر کہا جاتا ہو، نہ تاریخ ہی سے ثبوت ملتا ہے واقعۂ کربلا کے بعد بھی ایک عرصہ تک حائر یا حیر کی لفظ سے نہیں یاد کیا گیا۔

پیغمبر خدا کی وہ حدیثیں جن میں پیشگوئی ہے کہ حسینؑ سرزمین کربلا پر قتل کیے جائیں گے ان حدیثوں میں کربلا کے سارے ہی نام مذکور ہیں سوا حائر کے۔ بعض حدیثوں میں کربلا کا نام ہے کسی میں نینوی کا کسی میں طف کا کسی میں شط الفرات یا شاطی الفرات۔ مگر ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس میں حائر یا حیر نام لیا گیا ہو۔ زمانۂ نبوت کے بعد بھی ہم حائر کا کوئی نام و نشان نہیں پاتے۔ چنانچہ جس حدیث میں ذکر ہے کہ صفین جاتے ہوئے امیرالمومنینؑ کربلا میں ٹھہرے اور حسینؑ کی شہادت کو یاد کرکے آپ بھی روئے اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب بھی روئے اس حدیث میں بھی حائر

یا حیر نام کا ذکر نہیں۔

پھر جب ہم تاریخ میں ایک قدم اور بڑھاتے ہیں تو خاص واقعۂ کربلا کے وقت بھی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جب امام مظلوم اس علاقہ میں پہونچے اور ایک ایک گاؤں کے نام پوچھے تو لوگوں نے مختلف نام بتائے۔ نینوی۔ غاضریہ۔ شفیہ۔ عقر۔ کربلا وغیرہ سب ہی نام لیے گئے لیکن حائر یا حیر کسی نے بھی نام نہیں لیا۔

پھر ۲ محرم امام حسینؑ کے کربلا پہونچ کر قیام کرنے کے دن سے شہادت تک کے جو واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں اُن میں بھی حائر کا ذکر کیا ہلکا سا اشارہ بھی اس نام کی طرف نہیں پھر بعد شہادت امام مظلومؑ اہل حرم کی اسیری اُن کا کوفہ جانا وہاں سے شام جانا پھر شام سے اُن کی واپسی اور مدینہ جاتے ہوئے کربلا سے اُن کا گذر، ان واقعات میں بھی حائر کا نام مذکور نہیں۔

پھر ہم تاریخ سے قطع نظر کر کے جب دینی احادیث پر نظر کرتے ہیں تو حضرت سید سجاد اور امام محمد باقرؑ نے قبر حسینؑ اور اس زیارت کے جو فضائل بیان کیے ہیں اُن میں بھی حائر یا حیر کا ذکر نہیں سنہ ۱۱۴ ہجری میں امام محمد باقرؑ کی وفات ہوئی اس وقت تک حائر یا حیر کا تاریخ میں کوئی ذکر اذکار نہیں ملتا۔ پھر حائر کب نام پڑا؟ یقینی طور پر کسی ماہ و سال کی تعیین ناممکن ہے بس قرائن سے اتنا ہمیں معلوم ہے کہ حائر نام جب بھی ہوگا تو سنہ ۱۱۴ ہجری کے بعد ہی پڑا ہوگا۔

لہٰذا اگر کربلا کا نام حائر اس کے جغرافیائی یا طبعی حالات کی بنا پر ہوتا تو لازمی تھا کہ یہ نام امام حسینؑ کی شہادت ہی سے نہیں بلکہ اسلام آنے کے پہلے سے مروج ہوتا جس زمانہ میں کہ یہ سرزمین ویران اور باشندوں سے خالی تھی اور تاریخ د

وحدیث دونوں میں حائر کا لفظ موجود ہوتا۔ حالانکہ یہ طے شدہ بات ہے کہ کربلا کا نام حائر بنی امیہ کے آخری زمانۂ حکومت میں پڑا پہلے کوئی جانتا بھی نہیں تھا کہ اس کربلا کا نام حائر بھی ہے نہ زمانۂ جاہلیت میں اس کا یہ نام رہا نہ زمانۂ نبوت میں نہ واقعہ کربلا کے زمانہ میں نہ امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کے زمانہ میں غرضکہ پہلی صدی ہجری سے لے کر دوسری صدی ہجری کے اوائل تک کربلا کا نام حائر نہیں پڑا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ۱۲۵ھ ہجری میں کربلا کو حائر کے لفظ سے یاد کیا گیا جیسا کہ حسین بن ابی حمزہ کی روایت اور بعض دوسری روایتوں سے معلوم ہوتا ہے جو حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہیں اس موقع پر فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے زمانے میں کربلا کا نام حائر کیوں پڑا؟

دوسری فصل

حائر اور اس نام کی ابتدا

جس بات کو تیرہ سو برس گذر چکے ہوں اس کے متعلق آج کوئی فیصلہ کرنا آسان بات نہیں لیکن تاریخ ایک ایسی چیز ہے جس سے آنکھ بند نہیں کی جا سکتی جب ہم امام جعفر صادقؑ کے زمانہ کا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں نیز ان احادیث کا جو آپ سے سنی گئیں یا دوسروں کے ذریعہ نقل کی گئیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں پہلی مرتبہ کربلا کو حائر اور حیر کے ناموں سے یاد کیا گیا اور اسی وقت سے ان دونوں کی اتنی شہرت

ہو گئی کہ تاریخ و حدیث سب ہی میں یہ دونوں نام کربلا کے لیئے استعمال کیئے جانے لگے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ کربلا اور روضۂ حسینی کے لیئے حائر اور حیر کی شہرت رفتہ رفتہ کرکے اور تدریجی طور پر ہوئی۔ پہلے صرف چند حدیثوں میں یہ دونوں نام استعمال ہوئے جو امام جعفر صادق ع سے زیارت امام مظلوم ع کی فضیلت میں وارد ہوئیں سب ہی حدیثوں میں حائر اور حیر کی لفظیں استعمال نہیں کی گئیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ روضۂ امام مظلوم کے لیئے حائر اور حیر ناموں کی ویسی شہرت نہیں ہوئی جیسا کہ دوسری ہجری کے ۵۰ برس کے گزر جانے کے بعد شہرت ہوئی جیسا کہ حسین ابن بنت ابی حمزہ ثمالی نے اپنی حدیث میں بیان کیا ہے کہ میں بنی امیہ کے آخری زمانۂ حکومت میں پیادہ پا کوفے سے زیارت امام مظلوم ع کے لیئے گیا۔ حسین ابن بنت ابی حمزہ ثمالی کی اس حدیث میں بار بار حائر کا نام آیا ہے اور یہ حدیث قرائن کے مطابق دوسری صدی ہجری کا جو تھائی حصہ گزر جانے کے بعد کی ہے بنی امیہ کی حکومت ختم ہونے کے پہلے کی۔ بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ سنہ ۱۳۲ ہجری میں ہوا۔ اور امام مظلوم ع کی قبر کو حائر کی لفظ سے اس وقت سے یاد کیا جانے لگا جبکہ قبر مبارک پر قبہ اور سائبان بن چکا تھا پھر اس عمارت سے کچھ دور ہٹ کر چاروں طرف سے چار دیواری بنائی گئی جیسے قلعہ کی فصیل ہوا کرتی ہے بظاہر اس سے غرض یہ تھی کہ اس چار دیواری کے درمیان جو عمارت ہے وہ خارجی حملوں سے محفوظ رہے خصوصیت کے ساتھ رات کے وقت کوئی اس عمارت میں اس وقت تک داخل نہ ہو سکے جب تک شہر پناہ کے افسر نگراں سے اجازت نہ مل جائے۔ اجازت لے کر چار دیواری کے اندر آنا ہوتا پھر صحن طے کر کے حرم تک پہونچنا نصیب ہوتا تھا اس طرح ہر آنے جانے والا نظروں کے سامنے

رہتا تھا جیسا کہ اُس وقت بنی اُمیّہ کی جابر و ظالم حکومت کی وجہ سے ضرورت مقتضی تھی۔

تیسری فصل

حائر اور اُس کی وجہ تسمیہ

حائر نام پڑنے کی وجہ جیسا کہ قرائن سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ بہت پہلے سے دستور چلا آرہا تھا کہ ہر وہ عمارت جو بطور پناہ گاہ یا لوگوں کے ایک جگہ مجتمع ہونے کے لیئے بنائی جاتی تھی اسکو حائر کہا جاتا تھا مورخین اور ارباب جغرافیہ نے اس نام کے بہت سے مقامات گنائے ہیں حائر کے نام کے بھی اور حیر کے نام سے بھی جیسا کہ علامہ طبری نے ذکر کیا ہے۔ بخت نصر کلدانی بادشاہ نے حیرہ میں بازار کے طور پر ایک حیر بنوایا تھا ان عربوں کے لیے جو اُن شہروں میں موجود تھے اور جب قبر امام مظلوم پر عمارت تعمیر ہوئی اور اُس عمارت کے چاروں طرف چاردیواری بھی بنائی گئی تو اُس کو بھی حائر کہا گیا اس لیئے کہ کوئی دوسرا نام اس سے بہتر نظر ہی آیا۔ وہ عمارت مسجد نہیں تھی کہ اُس کو مسجد کا نام دیا نہ جامع تھی کہ جامع کے نام سے پکاری جاتی لہٰذا نام ایسا ہی رکھنا ضروری تھا جو اُس وقت کی کیفیت کے مطابق ہو۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس زمانہ میں اس قسم کی عمارتوں کا نام حائر رکھنے کا عام طور پر دستور رہا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ نام قبر امام مظلوم کو دشمنوں کی نظر

سے مخفی اور پوشیدہ رکھنے کے لیئے رکھا گیا ہو محبان اہل بیتؑ کو جب قبر امام مظلومؑ کا تذکرہ کرنا ہوتا تو بجائے کربلا کہنے کے حائر کہا کرتے اس طرح بنی اُمیّہ کو پتہ نہ چلنے پاتا اور زائرین اُن کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہتے۔

غرضکہ اس زمانہ کی اصطلاح میں حائر نام تھا اس چاردیواری کا جو قبر مطہر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔ قبر مطہر کی محافظ اور خارجی حملوں سے روک تھی جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ یہ عمارت زائرین کی جائے پناہ تھی وہ اس عمارت میں آکر سر چھپاتے تھے اس لیئے یہ نام پڑا ہو۔

علماء دین کے اقوال و ارشادات سے بھی حائر نام ہونے کی یہی وجہ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ابن ادریسؒ نے اپنی کتاب السرائر میں لکھا ہے۔

" حائر نام ہے اُس چاردیواری کا جو روضۂ امام مظلومؑ اور وہاں بنی ہوئی مسجد کو اپنے حلقہ میں لیے ہوئے ہے "

آجکل کے زمانہ میں روضۂ حسینیؑ کی پوری عمارت کو کبھی صحن الحسینؑ کہا جاتا ہے کبھی حرم الحسینؑ کبھی جامع الحسینؑ کی لفظ سے ذکر کیا جاتا ہے کبھی مسجد الحسینؑ کی لفظ سے کبھی روضۂ حسینیہ یا حضرۂ حسینیہ کی لفظ سے یاد کیا جاتا ہے یہ سب نئی تعبیرات ہیں اور جیسے جیسے دن گذرتے گئے ناموں میں اضافہ ہوتا رہا ہے شروع زمانہ میں ان ناموں کا پتہ نہ تھا شروع زمانہ میں تو خالی حائر الحسینؑ یا حائر الحسینیؑ کہا جاتا تھا جیسا کہ ارباب لغت اور مورخین کے اقوال سے پتہ چلتا ہے یاقوت حموی معجم البلدان میں لکھتے ہیں۔

" الحائر قبر الحسین بن علی رضی اللہ عنہ " حائر قبر حسین بن علیؑ کو کہتے ہیں

یا جیسے لسان العرب میں ہے ۔ حائر سے مراد کربلا ہے ۔ اسی قسم کے اور بہت سے اقوال ہیں ۔

لیکن آج کی کیفیت بالکل برعکس ہے بنی امیہ کے پرآشوب زمانۂ حکومت کے ۔ بنی امیہ کے زمانہ میں تو کربلا کا نام بھی زبان پر لانا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کے مرادف تھا مگر ان کا زمانہ ختم ہونے پر روز بروز اس سرزمین کی عظمت و جلالت میں اضافہ ہوتا گیا اور اسی لحاظ سے ایک سے ایک عزت بھرے نام بھی اس سرزمین کے رکھے جاتے رہے اب کربلا ہی کو نہیں بلکہ دیگر ائمہ طاہرین کے مزارات کو بھی عتبات عالیات کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے اس گہری محبت و احترام و تعظیم کے اظہار کے لئے جو تمام مسلمانوں کے دلوں میں ان ائمہ حق و ہدایت کے لئے موجود ہے ۔

چوتھی فصل

حائر اور حیر کی تاریخی تحقیق

کربلا کا نام بہت پہلے زمانہ میں حیر تھا جیسا کہ ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں اور حیر اگرچہ مخفف ہے حائر کا اور دونوں ایک ہی سے نام ہیں لیکن رفتہ رفتہ کرکے دونوں کے استعمال میں فرق آگیا حیر پورے شہر کربلا کا نام بن گیا اور حائر خاص روضۂ حسینی کا نام ہوا ۔ جیسا کہ مورخین اور اہل جغرافیہ کے اقوال سے اندازہ ہوتا ہے یاقوت حموی لکھتے ہیں :-

"حائر قبر حسینی کا نام ہے اور جب کربلا کہنا ہوتا ہے تو حیر کہتے ہیں بغیر کسی اضافت کے یعنی حیر بذات خود خاص کربلا کا نام ہے (معجم البلدان)

اس سے پتہ چلتا ہے حائر اور حیر اگرچہ ایک ہی اصل سے ہیں اور حیر مخفف ہے حائر کا مگر دونوں مترادف لفظیں نہیں یعنی ایک ہی چیز کے دو نام نہیں بلکہ حیر کربلا کا نام ہے اور حائر روضۂ حسینی کا۔

اور کربلا کا نام حیر پڑا بھی تو اس وقت جب اسکی کیفیت ایک شہر جیسی ہو گئی مکانات بازار، دوکانیں وغیرہ قائم ہو گئیں جیسا کہ فرانسیسی دائرۃ المعارف الاسلامیہ میں لفظ حیر کی تشریح میں مذکور ہے کہ بخت نصر نے اپنی مملکت میں موجودہ عربوں کے لیے کربلا میں ایک حیر بنوایا یعنی بازار کی طرز پر ایک محلہ اور اس میں تمام عربوں کو اکٹھا کر دیا۔ ہمارے کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ کربلا کا نام جب تک حیر نہیں پڑا تھا اس وقت تک یہ زندگی اور آبادی سے محروم تھا بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ کربلا حیر کی لفظ سے اُس وقت موسوم ہوا جب اُس نے ایک شہر کی صورت اختیار کر لی۔ کیونکہ اخبار و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مظلومؑ کی شہادت کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد کربلا قافلوں کے ٹھہرنے کی جگہ بن گیا تجارتی اور غیر تجارتی قافلے اس جگہ آکر رکنے لگے ایک اس کی دینی اہمیت کی وجہ سے دوسرے اس وجہ سے کہ یہ تجارتی اور زرعی علاقوں کے درمیان واقع ہے پھر اس جگہ کی بہت شہرت بھی ہو گئی۔ دُور دُور سے لوگ اس جگہ زیارت کیلئے آنے لگے۔ واقعہ کربلا کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس جگہ کو تجارتی حیثیت سے جو فروغ ہوا اس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے جو سبط ابن جوزی نے سندی

نقل کیا ہے

سدی بیان کرتے ہیں کہ میں کربلا میں اترا میرے پاس ہتیار و خوردونوش بغرض تجارت تھیں۔ ہم ایک شخص کے مہمان ہوئے رات اس کے یہاں بسر کی آپس میں امام حسینؑ کی شہادت کا ذکر ہوا ہم نے کہا جو شخص بھی قتل حسینؑ میں شریک ہوا وہ بدترین موت مرا۔ اس شخص نے کہا یہ انتہائی غلط اور جھوٹ ہے میں خود خون حسینؑ میں شریک رہا مجھے تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ جب رات ختم ہونے کو آئی تو دفعتاً چیخنے کی آوازیں سنائی دیں ہم نے جب اس چیخ پکار کا سبب دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ شخص چراغ کی لو ٹھیک کر رہا تھا اس کی انگلی جل گئی پھر آگ پورے بدن میں پھیل گئی اور وہ جل گیا۔ سدی کہتے ہیں خدا کی قسم جب ہم نے اس شخص کو دیکھا تو وہ کوئلہ کا ڈھیر تھا۔ (اعیان الشیعہ جلد ۴ صفحہ ۲۹۶)

یہ روایت صاف طور پر بتاتی ہے کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد کربلا میں آبادی ہو گئی مکانات بن گئے تجارتی لین دین ہونے لگا دوسری روایتیں بتاتی ہیں کہ شہادت امام مظلوم کے تھوڑے ہی دن بعد مختلف شہروں سے بکثرت لوگ زیارت کے لیے آنے جانے لگے اور قبر مطہر ایک آباد جگہ تھی لوگ زیارت کے لیے اور اپنی حاجتیں مانگنے کے لیے آتے اور قبر حسینی سے روشن معجزات ظاہر ہوتے۔

غرضکہ امام مظلوم کی شہادت کے بہت تھوڑے ہی دنوں کے بعد کربلا کی آبادی شروع ہوئی لیکن کب اور کس وقت حیر نام سے موسوم ہوا غالباً اس جگہ لوگوں کے بسنے اور یہاں آباد ہونے کے ابتدائی دنوں ہی میں اس کا نام حیرت ہوا

عوام الناس نے اس چار دیواری کی بنا پر جو قبر حسینی کے چاروں طرف بنائی گئی تھی اُس کو حیرت کہنا شروع کیا پھر اتنی پابندی سے اُس کو حیر کہا جانے لگا کہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دَور میں اُس کا نام حیر ہی پڑ گیا۔ امام جعفر صادق ؑ سے مروی روایتوں میں جو دوسری صدی ہجری کے اوائل کی ہیں حیر نام مذکور ہے اسی طرح طبری نے بھی ۲۳۶ھ کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے حیر کا نام لیا ہے مگر حیر نام کو دوام نہیں حاصل ہو سکا جیسا کہ حائر کو حاصل ہوا۔

تیسرا باب

حائر کے عام حالات

پہلی فصل

حائر کی کیفیت پہلے دَور میں

حائر مقدس پہلے زمانہ میں جیسا کہ اخبار و احادیث سے معلوم ہوتا ہے ایک چوکور عمارت تھی ۲۵ میٹر لمبی اور ۲۵ میٹر چوڑی اس عمارت کے اوپر ایک سائبان اور ایک گنبد تھا جو جزیرہ نمائے عرب کے مشرقی حصہ میں پہلا

اسلامی گنبد کہا جاسکتا ہے اس عمارت کا صدر دروازہ جنوب کی سمت کھلتا تھا اور آج بھی اسی سمت یہ دروازہ کھلتا ہے۔ دوسرا دروازہ مشرق کی طرف شہر اور بازار میں کھلتا ہے اسی دروازہ سے حضرت عباسؑ کے روضہ تک جایا جاتا ہے جو ساحل فرات پر ہے ہر دروازہ پر خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے اور خط کوفی میں قرآنی آیتیں لکھی ہوئی تھیں غالباً ان آیتوں میں سرفہرست یہ آیت رہی ہوگی:۔

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً
بل احیاء عند ربھم وھم یرزقون۔

جو لوگ راہ خدا میں قتل کیے گئے انھیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے یہاں رزق پاتے ہیں۔

متقدمین علماء نے اپنی کتابوں میں روضۂ حسینی کی جو تصویر کشی کی ہے اس سے ایک ہلکا سا اندازہ ہمیں ہو سکتا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے شروع میں روضہ کی کیا صورت رہی ہوگی حسین ابن بنت ابی حمزہ ثمالی جو ثقات و اکابر شیعہ سے ہیں بیان کرتے ہیں:۔

"میں بنی امیہ کی حکومت کے آخری زمانہ میں قبر حسینؑ کی زیارت کو نکلا غاضریہ پہونچا۔ جب رات کا سناٹا ہو گیا سب سو گئے میں نے غسل کیا پھر قبر کی طرف چلا جب حائر کے دروازہ پر پہونچا تو ایک خوبصورت شخص جسکے جسم سے خوشبو آ رہی تھی بہت سفید براق کپڑے پہنے ہوئے تھا باہر نکلا اور کہا واپس جاؤ تم قبر تک نہیں پہونچ سکتے۔

میں ساحل فرات پر آ کر بیٹھا جب آدھی رات ہوئی تو میں نے غسل کیا پھر قبر کی طرف چلا جب حائر کے دروازہ پر نکلا تو وہی شخص باہر نکلا اور کہا اے شخص واپس جا تو قبر تک نہیں جا سکتا۔

میں نے کہا فرزند رسول سردار جوانان اہل جنت کی قبر تک کیوں نہیں جاؤں جب کہ میں کوفہ سے پیادہ آیا ہوں یہ رات جمعہ کی رات ہے مجھے ڈر ہے کہ کہیں صبح نہ ہو جائے اور مجھے بنی امیہ کے سپاہی قتل نہ کر ڈالیں اس شخص نے کہا واپس جاؤ تم قبر تک نہیں پہونچ سکتے میں نے کہا کیوں؟ اس شخص نے سبب بتایا۔

میں پلٹ کر پھر ساحل فرات پر پہونچا طلوع فجر کے بعد میں نے غسل کیا اس کے بعد قبر حسینی پر پہونچا اس مرتبہ مجھے کوئی نظر نہیں آیا میں نے قبر کے پاس صبح کی نماز پڑھی پھر کوفہ واپس چلا آیا۔

(کامل الزیارۃ لابن قولویہ ص ۱۱۱ ص ۱۱۲، کتاب الاقبال لابن طاؤس ص ۵۶۸، بحار الانوار جلد ۱۰۱ ص ۳۰، نزہۃ اہل الحرمین ص ۱۴ و ۱۵، اعیان الشیعہ جلد ۴ ص ۳۰۴)

اس روایت سے نیز اسی قسم کی دوسری روایتوں سے پتہ چلتا ہے کہ حائر مقدس دوسری صدی ہجری کے شروع ہی میں یا پہلی صدی ہجری ہی میں نمایاں مشہور اور بہت آباد جگہ تھی چہار جانب سے زائرین زیارت کو آتے قبر پر عمارت بنی ہوئی تھی اس عمارت میں سائبان بھی تھا اور گنبد تھا مسجد بھی تھی روضہ مبارک سے قریب ہی ایک اونچا بیری کا درخت تھا جسے ہارون رشید نے سنہ ۱۹۳ ہجری میں کٹوا دیا تھا ساتھ ہی ساتھ اس نے قبر مبارک کو منہدم کر کے

زمین کے برابر اور قبر کے تمام نشانات مٹا ڈالے تھے تاکہ کوئی شخص آپ کی قبر پر نہ پہونچنے پائے۔

اسی طرح یہ بات بھی اس روایت سے معلوم ہوتی ہے کہ روضۂ مبارک کا باقاعدہ انتظام و انصرام تھا۔ اس روضہ کے لئے حاجب و دربان اور خدام و منتظمین ہوا کرتے تھے اور کوئی شخص بغیر اُن کی اجازت کے قبر تک نہیں پہونچ پاتا تھا یہ خدام و دربان بہت پاک و صاف سپید براق کپڑوں میں ملبوس ہوا کرتے زائرین پروانہ وار قریب اور دور کے مقامات سے قبر مطہر کی زیارت کو پیدل چل کر آتے خصوصیت کے ساتھ شب جمعہ میں اور چونکہ بنی امیہ نے کربلا کے حدود میں فوجی چوکیاں بٹھا رکھی تھیں تاکہ زائرین قبر تک نہ پہونچ سکیں اور جو پہونچ جاتا تھا اُسے سخت سے سخت اذیتیں پہونچائی جاتیں اس لیئے زائرین عموماً غاضریہ میں آکر ٹھہرتے کیونکہ وہ کربلا سے قریب ہے ائمہ طاہرین علیہم السلام خصوصیت کے ساتھ امام جعفر صادقؑ شیعوں کو تاکید کرتے کہ زیادہ سے زیادہ مرتبہ زیارت امام حسینؑ کو جائیں اور نینوئی یا غاضریہ میں ٹھہریں۔ چنانچہ ابو حمزہ ثمالی امام جعفر صادق عؑ سے روایت کرتے ہیں امام نے فرمایا:۔

"جب زیارات سے فارغ ہو کر تم رخصت ہونے کا ارادہ کرو تو زیادہ سے زیادہ مرتبہ زیارت بجالاؤ تمھیں چاہیئے کہ نینوئی یا غاضریہ میں قیام کرو اور جب زیارت کے لیئے جاؤ تو غسل کر کے جاؤ اور اسی طرح زیارت بجالاؤ جس طرح وداع کے وقت زیارت بجالائی جاتی ہے۔" (کامل الزیارت لابن قولویہ)

تو غاضریہ یا نینوی سے رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں زائرین اکیلے یا جتھوں کی صورت میں حائر مقدس کے اندر زیارت قبر مطہر کے لئے آتے اور آفتاب نکلنے کے پہلے ہی رخصت ہو جاتے اس ڈر سے کہ کہیں بنی اُمیہ کے ساہیوں کی ہم پر نظر نہ پڑ جائے۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان ایام میں سلسل فرات حائر مقدس سے زیادہ قریب تھا۔ یہ کیفیت تھی حائر مقدس کی امام حسینؑ کی شہادت کے ۳۰ برس کے بعد کی۔

دوسری فصل

حائر مقدس اور اس کی دینی منزلت

ائمہ طاہرینؑ اور اُن کے ساتھ ہی شیعیان اہل بیتؑ ہر زمانہ میں حائر مقدس اور اُس کی زیارت کو بڑی اہمیت دیا کئے وہ لوگوں کو زیارت کی ترغیب دلاتے تاکید کرتے کہ زندگی میں چاہے ایک ہی مرتبہ سہی مگر روضۂ مبارکہ کی زیارت ضرور بجا لاؤ کیونکہ یہ امر خداوند عالم کی خوشنودی کا باعث اور اس کی طرف سے زیادہ ثواب ملنے کا موجب ہے اس سلسلہ میں ائمہ طاہرینؑ سے بے شمار روایتیں مروی ہیں۔ اُن میں روشن و واضح وہ روایتیں ہیں جو حضرت سید سجادؑ امام محمد باقرؑ امام جعفر صادقؑ اور امام علی نقی علیہم السلام سے مروی ہیں امام زین العابدینؑ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اتخذ اللہ ارض کربلا حرمًا امنًا مبارکًا قبل ان یخلق اللہ ارض الکعبۃ و یتخذھا

حرمًا۔ (کامل الزیارت لابن قولویہ صفحہ ۲۶۶)

خداوندِ عالم نے سرزمینِ کعبہ کو خلق کرنے اور اُس کو حرم بنانے سے بہت پہلے سرزمینِ کربلا کو محترم جائے امن اور باعثِ برکت بنایا۔

امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں:۔

خلق الله تعالیٰ ارض کربلا قبل ان یخلق الکعبة بار بعة وعشرین الف عام وقدسها وبارک علیها فما زالت قبل خلق الخلق مقدسة مبارکة ولا تزال کذالک حتی یجعل الله افضل ارض فی الجنة وافضل منزل ومسکن یسکن الله فیه اولیائه فی الجنة۔ (کامل الزیارت لابن قولویہ)

خداوندِ عالم نے کعبہ کو خلق کرنے سے ۲۴ ہزار برس پہلے سرزمینِ کربلا کو خلق کیا اُسے پاک و پاکیزہ اور بابرکت قرار دیا اور یہ سرزمین خلائق کی پیدائش کے پہلے بھی مقدس و مبارک رہی اور قیامت تک رہے گی یہاں تک کہ خداوندِ عالم اس سرزمین کو افضل ترین زمین اور افضل ترین مسکن بنائے گا جس میں جنت کے ساکنین، اولیائے خدا قیام کریں گے۔

یہ طہارت و پاکیزگی کربلا کو اسی وجہ سے حاصل ہوئی کہ حسینؑ فرزندِ رسولؐ یہاں شہید اور دفن ہونے والے تھے۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں:۔

خداوندِ عالم نے سرزمینِ مکہ کے حرم بنائے جانے کے بہت پہلے حسینؑ کی قبر کی وجہ سے کربلا کو حرم، جائے امن اور برکت کی جگہ بنایا۔

(کامل الزیارت صفحہ ۲۶۰)

یقیناً امام حسینؑ کی شہادت اور اس زمین میں آپ کے مدفون ہونے ہی نے اس زمین کو ایسا عظیم شرف عنایت کیا اور یہ سرزمین تمام خطہ ہائے ارض سے بہتر و افضل قرار پائی جیسا کہ اور بھی بہت سی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

بعض روایتوں میں اس زمین کو قبۃ اسلام سے یاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادقؑ اپنے آباء طاہرینؑ کے واسطے سے روایت فرماتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا:۔

میرا فرزند اس سرزمین پر مدفون ہو گا جسے کربلا کہا جاتا ہے یہ وہ جگہ ہے جس میں قبۂ اسلام تھا جس پر اللہ تعالیٰ نے طوفان نوحؑ سے ان مومنین کو نجات عنایت کی تھی جو نوحؑ پر ایمان لائے تھے۔

(کامل الزیارت ص۲۶۹)

ائمہ طاہرینؑ شیعوں کو برابر کربلا کی زیارت کی تاکید کیا کرتے امام محمد باقرؑ خاص طور پر کربلا کے فضائل بیان کیا کرتے مراد آپ کی کربلا سے ہوا کرتی اور لوگوں کو اس کی زیارت کی تاکید فرماتے یہ کہہ کر کہ "تم اضریہ میں ہمارے قبور کی زیارت کرو"

(کامل الزیارت ص۲۶۹)

اسی طرح امام جعفر صادقؑ اپنے شیعوں سے کہا کرتے:۔

کربلا کی زیارت کرتے رہا کرو اس سے بے تعلق نہ رہنا کیونکہ یہ سرزمین بہترین اولاد انبیاء کو اپنی آغوش میں لئے بیٹھی ہے ہمارے جد امام حسینؑ کی شہادت کے ہزار برس پہلے ہی سے ملائکہ اس زمین کی زیارت کیا کرتے اور کوئی رات ایسی نہیں گزرتی کہ جبرئیل و میکائیل اس زمین کی زیارت

کو نہ آتے ہوں لے یحییٰ! (اس حدیث کے راوی سے خطاب ہے) دیکھو اس سرزمین کا خیال
تمہارے ذہن سے نہ نکلنے پائے۔ (کامل الزیارت ص۲۶۹)

ائمہ طاہرین علیہم السلام کے اسی قسم کے ارشادات و احادیث سے لوگوں کے دلوں میں سرزمین کربلا کی افضلیت و برتری و پاکیزگی و قداست کا احساس بڑھتا گیا اور پہلی صدی ہی سے لوگ جوق جوق اسکی زیارت کو آنے لگے۔ اس سلسلہ میں ائمہ طاہرینؑ نے جو ارشادات فرمائے ہیں انکی حیثیت محض ایک اعلان یا کسی پروپاگنڈہ کی نہیں تھی بلکہ یہ ایک مسلم الثبوت حقیقت ایک محکم عقیدہ اور اسلام و ایمان کامل کا معاملہ تھا خود ائمہ طاہرینؑ کا عمل اس بات کا ثبوت ہے کہ ان حضرات کے مذکورۂ بالا ارشادات ذاتی خواہشوں اور انسانی انانیت سے قطعی پاک و صاف تھے۔

چنانچہ ابو ہاشم جعفری بیان کرتے ہیں کہ میں اور محمد بن حمزہ امام علی نقیؑ کی خدمت میں جبکہ آپ علیل تھے مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے امامؑ نے فرمایا کچھ لوگوں کو میرے پیسے سے حائر حسینی کی زیارت کو روانہ کرو جب ہم باہر نکلے تو محمد ابن حمزہ نے کہا امام ہمیں حائر کی طرف بھیج رہے ہیں حالانکہ آپ خود اسی درجہ کے امام ہیں جس درجے کے امام حسینؑ ہیں میں امام کی خدمت میں واپس آیا اور محمد بن حمزہ کی بات آپ سے بیان کی امامؑ نے فرمایا ایسا نہیں ہے کچھ مقامات ایسے ہیں جن میں عبادت کا بجا لانا اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور حائر حسینی بھی انھیں مقامات میں سے ہے۔

(کامل الزیارت ص۲۷۳ مزار البحار ص۱۴۱)

ایک دوسری روایت میں یہی مضمون زیادہ تفصیل سے مذکور ہے ابو جعفر ہاشمی بیان کرتے ہیں کہ:-

میں امام علی نقی ؑ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ بیمار تھے اور تپ میں مبتلا تھے مجھ سے فرمایا۔ ابو ہاشم! ہمارے دوستوں میں سے کسی شخص کو حائر بھیجو کہ جا کر وہاں میرے لئے دعا کرے میں آپ کے یہاں سے واپس ہوا راستہ میں علی ابن بلال مل گئے میں نے امام کی بات اُن سے بیان کی اور کہا کیا اچھا ہوتا کہ تم ہی چلے جاتے علی ابن بلال نے کہا بسر و چشم لیکن میں کہتا ہوں کہ امام علی نقی حائر سے افضل ہیں کیونکہ آپ بھی اُسی درجہ کے امام ہیں جس درجہ کے امام حسینؑ اور آپ کا اپنے لئے دعا کرنا کہیں بہتر ہے کہ میں حائر میں جا کر آپ کے لئے دعا کروں۔ میں نے امام علی نقی ؑ سے یہ بات نقل کی آپ نے فرمایا علی ابن بلال سے کہہ دینا حضرت رسول خدا خانۂ کعبہ اور حجر اسود سے کہیں افضل و برتر تھے مگر اس کے باوجود آپ خانۂ کعبہ کا طواف کیا کرتے حجر اسود کو بوسہ دیتے اللہ تعالیٰ کی کچھ زمینیں ایسی ہیں جن میں دعا کرنا اللہ کو زیادہ محبوب ہے اور وہاں مانگی ہوئی دعا اللہ قبول کرتا ہے حائر حسینی بھی اُنھیں مقامات سے ہے۔

(کامل الزیارات ص۲۷۳، مزار البحار ص۱۴۱)

ان تمام روایتوں سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ائمہ طاہرین حائر حسینی کو کتنی اہمیت دیا کرتے یہ سرزمین، زمین کے تمام حصّوں سے افضل ہے خداوند عالم کو پسند ہے یہ بات کہ اس سرزمین پر اللہ کی عبادت کی جائے اور اس میں اللہ سے دعا مانگی جائے اس سرزمین پر مانگی ہوئی دعا اللہ قبول کرتا ہے۔ چنانچہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کا اسی پر عمل رہا۔

تیسری فصل

حائر حسینی کی عالم اسلامی میں اہمیت

امام حسینؑ کی شہادت اور کربلا میں مدفون ہونے سے بنی امیہ کی ساری تمنائیں خاک میں مل گئیں انھوں نے اسلام کو مسخ کرنے کے جو منصوبے بنا رکھے تھے وہ منصوبے ناکام رہے۔ حجاز کے بعد حائر حسینی اسلامی شہنشاہیت کے قلب میں ایک نیا دینی مرکز بن کر ابھرا جس کا سلسلہ ساحل فرات سے لیکر صحرائے عرب کے کنارہ تک اور صحرائے عرب کے کنارے سے لے کر مشرق بعید تک پھیلا ہوا تھا اور انوار نبوت مدینے کر ایران و ہندوستان قفقاز و ترکستان وچین و ماچین اور دنیا کے گوشے گوشے کو منور کر رہے ہیں۔ تیسری صدی ہجری کے اوائل ہی میں حائر حسینی کا دائرہ اثر کافی وسیع ہو چکا تھا جبکہ بنی امیہ کا نام ونشان مٹ گیا وہ ہمیشہ کے لیئے ذلیل و خوار ہوئے۔ اور دنیا بھر کی لعنتیں ان کا مقدر بن گئیں۔

ہم ذیل میں قدامہ بن زائدہ کی وہ مشہور حدیث درج کرتے ہیں جو انھوں نے حضرت سید سجادؑ سے روایت کی ہے یہ حدیث اس راز سے پردہ اٹھاتی ہے کہ کیوں حائر حسینی کو اتنا فروغ نصیب ہوا اور کس وجہ سے یہ سرزمین کعبہ کے ہمسر قرار پائی

قدامہ بن زائدہ نے اپنے باپ سے روایت کی زائدہ کا بیان ہے کہ امام زین العابدینؑ نے مجھ سے فرمایا زائدہ! مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم اکثر ہمارے پدر بزرگوار ابو عبد اللہ الحسینؑ کی قبر کی زیارت کے لیے جایا کرتے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں! امام نے پوچھا تم تو اپنے بادشاہ کے بہت مقرب ہو تمہیں بڑی منزلت حاصل ہے اور تمہارا بادشاہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ کوئی ہم سے محبت رکھے ہمیں دوسروں پر فوقیت دے ہمارے فضائل اور ہمارے ان حقوق کا ذکر کرے جو امت پر واجب ہیں پھر تم ایسا کیوں کرتے ہو؟

میں نے عرض کی صرف خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کے لیے اس بارے میں مجھے نہ تو اس کی پرواہ ہے کہ کون ناراض ہوتا ہے کون نہیں نہ اس کی پرواہ کہ اس وجہ سے ہمیں کیسی سخت و شدید اذیتیں جھیلنا پڑیں گی۔

امامؑ نے فرمایا کیا واقعی؟

میں نے عرض کیا جی ہاں!

امامؑ نے دوبارہ اور سہ بارہ پوچھا کہ کیا سچ کہہ رہے ہو؟ اور ہر مرتبہ میں نے جواب دیا کہ جی ہاں بالکل حقیقت عرض کر رہا ہوں آپ نے فرمایا مبارک ہو۔ مبارک ہو۔ مبارک ہو۔ میں تمہیں وہ بات بتاتا ہوں جو میرے سینہ میں مخفی تھی۔ جب ہم پر کربلا میں آفتیں ٹوٹیں میرے والد بزرگوار شہید ہوئے اور آپ کے تمام اصحاب، اولاد اور بھائی بھتیجے بھی مارے گئے اور آپ کے اہل حرم کو اونٹوں پر سوار کر کے کوفہ لیجایا جانے لگا تو میری نظر اپنے مقتولین پر پڑی جن کی لاشیں زیر آسمان برہنہ پڑی ہوئی تھیں اس منظر نے مجھ پر قیامت کا اثر کیا اور میرے

رنج و اندوہ کی انتہا نہ رہی قریب تھا کہ میرا دم نکل جائے میری یہ کیفیت میری پھوپھی زینبؑ نے دیکھ لی۔ میرے قریب آئیں فرمایا بیٹا! میرے نانا میرے باپ اور میرے بھائی کی واحد یادگار! تمھارا کیا حال ہے؟ کیا اپنی جان دیدو گے؟ میں نے کہا پھوپھی میرا یہ حال کیوں نہ ہو جبکہ میں اپنی آنکھوں سے اپنے سید و آقا اپنے پدر بزرگوار اپنے بھائی، چچا اور گھر والوں کو خاک و خون میں لتھڑا ہوا گرم ریتی پر دیکھ رہا ہوں اُن کے لباس تک اتار لیے گئے ہیں نہ انھیں کفن دیا گیا نہ انھیں قبر نصیب ہوئی ان کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتا کوئی اُن کے قریب سے بھی نہیں گذرتا معلوم ہوتا ہے یہ لوگ رسول اللہ کے اہل بیتؑ نہیں بلکہ ترک و دیلم کے باشندے ہیں۔

جناب زینبؑ نے کہا بیٹا گھبراؤ نہیں یہ تو پیغمبرؐ کا عہد و پیمان ہے تمھارے جد تمھارے باپ تمھارے چچا سے خداوند عالم نے اس اُمّت کے کچھ لوگوں سے جنھیں اس زمین کے فراعنہ تو پہچانتے نہیں ہاں آسمان کے رہنے والے بخوبی جانتے ہیں وعدہ لے رکھا ہے کہ وہ لوگ ان بکھرے ہوئے اعضا اور خاک و خون میں غلطاں لاشوں کو اکٹھا کر کے دفن کر دیں گے تمھارے پدر بزرگوار کی قبر پر ایسا نشان بنا دیں گے جو کبھی محو نہیں ہوگا اور صدیاں بیت جانے کے بعد بھی باقی رہے گا اور ائمۂ کفر و پیروان ضلالت اس کو مٹانے ملیامیٹ کرنے کی انتھک کوشش کریں گے مگر اثر اور نمایاں ہوتا جائے گا اور اُسے آئے دن سربلندی نصیب ہوگی

میں نے پھوپھی سے پوچھا وہ وعدہ کیا ہے؟

جناب زینبؑ نے فرمایا مجھ سے ام ایمن نے بیان کیا کہ پیغمبرِ خدا کسی

دن اپنی پارۂ جگر حضرت فاطمہ زہرا کے پاس گئے جناب فاطمہ نے پیغمبر کے لیے حریرہ تیار کیا علی ابن ابی طالب ایک طبق میں کھجوریں لائے ام ایمن کہتی ہیں کہ میں ایک بڑے پیالے میں دودھ اور مکھن لائی رسول اللہ علی ع و فاطمہ اور حسن ع و حسین ع نے یہ چیزیں نوش کیں پھر رسول اللہ نے ہاتھ دھویا علی ع نے ہاتھ پر پانی ڈالا ہاتھ دھو کر آپ نے چہرہ پر پھیرا پھر مسرت بھری نظریں علی ع و فاطمہ، حسن ع و حسین ع پر ڈالی پھر کچھ دیر آسمان کی طرف دیکھتے رہے پھر قبلارو ہو کر دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے پھر سجدہ میں تشریف لے گئے اور رونے لگے آپ کا گریہ بڑھتا گیا پھر آپ سجدہ سے سر اٹھا کر گردن نیچی کئے بیٹھے رہے آنکھوں سے اشکوں کی نہریں جاری تھیں آپ کے گریہ سے علی ع و فاطمہ ع حسن ع و حسین ع بے حد رنجیدہ ہوئے، میں بھی غمگین ہوئی جب کافی دیر آپ کو روتے ہو گئی تو علی ع و فاطمہ ع نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے رونے کا کیا سبب ہے، آپ کے گریہ نے ہمارے دل زخمی کر دیے آں حضرت ع نے فرمایا آج میں تم لوگوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا میری نظریں تم لوگوں پر تھیں اور میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ تم لوگوں کے سبب خداوند عالم نے اپنی نعمتوں سے ہمیں سرفراز کیا کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور کہا اے محمد ! خداوند عالم آپ کے دل کی بات سمجھا اور بھائی بیٹی اور جگر گوشوں کے سبب آپ کو جو مسرت و خوشی ہوئی اس کا اندازہ کیا خداوند عالم نے آپ کے لیے اپنی نعمتوں کو مکمل کرتے ہوئے یہ خصوصی بخشش فرمائی ہے کہ علی ع و فاطمہ ع حسن ع و حسین ع اور ان کی ذریت اور ان کے پیروؤں اور شیعوں کو آپ ہی

کے ساتھ جنت جگہ مرحمت فرمائے گا اُن میں اور آپ میں کوئی تفریق نہ ہوگی جن نعمتوں سے آپ سرفراز ہوں گے وہی نعمتیں انھیں بھی نصیب ہونگی اور انھیں بھی وہی کچھ دیا جائے گا جو آپ کو دیا جائیگا یہاں تک کہ آپ خوش ہو جائیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور یہ تمام نعمتیں انھیں آزمائشوں کے بدلے میں عنایت ہوں گی جو وہ دنیا میں جھیلیں گے اور ان مصائب و شدائد کے بدلے جو انھیں ان لوگوں کی طرف سے اٹھانے پڑیں گے جو آپ کی امت سے ہونے کے دعویدار ہیں ان لوگوں کو نہ اللہ ہی سے کوئی واسطہ ہے نہ آپ سے۔ آپ کے اہلبیت ع کی شہادت گاہیں مختلف ہوں گی اور قبریں بھی ایک دوسرے سے دور دور۔ یہ اللہ کی پسند ہے اُن کے بارے میں آپ کے لیے بھی اور اُن کے لیے بھی اللہ کی پسند پر شکر بجا لائیے اور اُسکے قضا و قدر پر راضی رہیے۔

میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور تمھارے متعلق اُسکی پسند پر راضی ہوا۔ پھر جبرئیل نے مجھ سے کہا۔ اے محمدؐ! تمھارے بھائی (علی ابن ابی طالب) تمھارے بعد سختیوں میں پڑیں گے تمھاری امت انھیں بے بس کر دے گی تمھارے دشمن اُن کے درپے ایذا ہوں گے اور انھیں بدترین خلق اور خبیث ترین خلائق قتل کر ڈالے گا۔ علی ع کا قاتل ویسا ہی بدترین خلائق ہوگا جیسا ناقۂ صالح کے پے کرنے والا بدترین خلائق تھا۔ علی ع ایسے شہر میں مقتول ہوں گے جہاں وہ مدینہ سے ہجرت کر کے جائیں گے اسی شہر میں اُن کے اور اُن کی اولاد کے شیعوں کی نشو و نما ہوگی اور اسی شہر میں ان شیعوں کو سخت ترین آزمائشوں سے گذرنا پڑے گا ہولناک مصائب کا انھیں سامنا ہوگا۔ اور

آپ کا یہ لختِ جگر حسینؑ ایک مختصر جماعت کے ساتھ جو اُس کے آل اولاد اور آپ کی اُمت کے منتخب روزگار افراد پر مشتمل ہوگی فرات کے کنارے ایک سرزمین پر جسے کربلا کہا جاتا ہے شہید ہوگا اور اُسی کربلا کی وجہ سے آپکے دشمنوں اور آپ کے دشمنوں کی نسل پر (قیامت کے دن) کرب و بلا کی کثرت ہوگی وہ قیامت کا دن جس دن کے رنج و الم اور حسرت و اندوہ کی انتہا نہیں۔ یہ سرزمین کربلا تمام خطہ ہائے زمین میں پاک و پاکیزہ تر اور از روئے عزت و حرمت عظیم تر ہے اس سرزمین پر آپ کا لختِ جگر اور اُس کے گھر والے شہید ہوں گے یہ سرزمین جنت کے وادیوں میں سے ہے جب وہ دن آئے گا جس میں آپ کا نواسہ مع اپنے گھر والوں کے شہید ہوگا اور اہل کفر و لعنت کے لشکر اس کو اپنے نرغہ میں لیں گے اس دن زمین میں زلزلہ آئے گا پہاڑ تھرا اُٹھیں گے دریاؤں میں طوفانی کیفیت ہوگی اور اہل سماوات آپ کے لئے اور آپ کی اولاد کے لئے غضبناک اور آپ کی ہتک حرمت اور اُس مصیبت و اہانت پر جس کا آپ کی ذریت و عترت کو سامنا کرنا پڑے گا۔ برہم ہوں گے اس دن دنیا کی ہر چیز خدا سے اجازت چاہے گی کہ آپ کے مظلوم ذریت اہل بیتؑ کی نصرت و مدد کرے جو آپ کے بعد خلائق پر حجت خداوندی ہوں گے۔

پھر خداوند عالم آپ کی امت میں سے کچھ ایسے لوگوں کو مبعوث کرے گا جنھیں کفار جانتے پہچانتے نہ ہوں گے انھوں نے نہ زبان سے حسینؑ کا خون بہانے میں شرکت کی ہوگی نہ ہاتھ سے نہ نیت سے۔ وہ حسینؑ اور اُن کے اعزہ

کی لاشوں کو سپردِ خاک کریں گے اور اُس سرزمین پر سید الشہدا الحسینؑ کی قبر پر ایسا نشان قائم کریں گے جو صاحبانِ حق کے لیے عَلَم اور مومنین کی فلاح و کامرانی کا سبب بن جائے گا۔ آسمان کے فرشتے لاکھوں کی تعداد میں شب و روز اس جگہ کا احاطہ کیئے رہیں گے حسینؑ کے لیے دعائے رحمت کریں گے اُنکی قبر کا طواف کریں گے۔ خداوندِ عالم کی تسبیح و تہلیل اور زائرین کے لیئے دعائے مغفرت کریں گے اور آپ کی اُمّت میں سے جو بھی خوشنودیٔ خدا اور آپ کی خوشنودی کے لیئے قبرِ حسینؑ کی زیارت کے لیئے آئے گا اُس کا نام لکھتے جائیں گے کچھ لوگ جن پر ناراضگی اور لعنتِ خدا وندی لازم ہو چکی ہے ان مقامات کو مٹانے کی کوششیں کریں گے کہ اس قبر کا نام و نشان مٹا ڈالیں مگر اللہ تعالیٰ اُن کی ہر کوشش ناکام رکھے گا

پھر پیغمبرِ خدا نے فرمایا اسی بات نے مجھے رنجیدہ و غمگین اور گریہ پر مجبور کیا۔

جنابِ زینبؑ نے فرمایا جب ابنِ ملجم ملعون نے میرے پدر بزرگوار پر تلوار کا وار کیا اور میں نے آثارِ موت دیکھے تو عرض کی بابا جان ام ایمن نے مجھ سے ایسی ایسی حدیث بیان کی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ آپ کی زبان سے بھی سُن لوں امیر المومنینؑ نے فرمایا جانِ پدر ام ایمن نے ٹھیک ہی کہا ہے میری آنکھوں میں وہ منظر گھوم رہا ہے جب تم اور دیگر مخدراتِ اہلِ حرم اس شہر میں کنیزوں کی طرح لائی جائیں گی۔ بے بس و لاچار دل میں اس بات کا دھڑکا لگا ہوا کہ کہیں لوگ تمھیں قتل نہ کر ڈالیں۔ جانِ پدر صبر کرنا

قسم ہے اُس ذات کی جس نے دانہ کو شگافتہ اور روح کو پیدا کیا اُس دن روئے زمین پر سوا تمہارے اور تمہارے شیعوں اور دوستداروں کے نہ خدا کا کوئی ہوگا نہ میرا۔

رسول اللہ نے جس وقت یہ حدیث بیان کی تھی اُسی وقت بتا دیا تھا کہ اُس دن ابلیس مارے خوشی و مسرت کے اُڑا پھرے گا اپنے شیطانوں سمیت تمام زمین کا چکر لگائے گا اور کہے گا۔ گروہ شیاطین! آج ہم نے نسل آدم سے اپنا انتقام لے لیا اور اُن کو ہلاک کر کے اپنا مقصود پا لیا اور انہیں جہنمی بنا دیا سوا اُن تھوڑے سے لوگوں کے جو ان اہلبیتؑ کے دامن سے متمسک رہے تم اب سرگرمی سے ان اہلبیتؑ کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرو اور اُن کی دشمنی و عداوت پر مجبور کرو اُن کے دوستوں کے متعلق لوگوں کو بہکاؤ تاکہ خلائق کی گمراہی اور اُن کا کفر پختہ ہو جائے اور کوئی نہ بچنے پائے۔ ابلیس نے جو اگرچہ پکا جھوٹا ہے سچ ہی کہا تھا کہ تم اہل بیتؑ کی عداوت کے ساتھ کوئی عمل صالح فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور تمہاری محبت کی موجودگی میں سوا گناہان کبیرہ کے اور کوئی گناہ نقصان رساں نہ ہوگا۔

زائدہ کہتے کہ حضرت سید سجادؑ نے اس حدیث کو بیان کر کے مجھ سے فرمایا اس حدیث کو یاد رکھنا اگر اس حدیث کی تلاش و طلب میں تم سال بھر چکر لگاتے رہتے تب بھی کم تھا۔

(کامل الزیارت ص۲۶۰ و ۲۶۲، بحار الانوار جلد ۱۰ ص۱۳۸)

اس حدیث کا ابتدائی فقرہ یعنی امام زین العابدینؑ کا زائدہ سے یہ کہنا کہ مجھے بادشاہ کے یہاں بڑی منزلت حاصل ہے اور تمھارا بادشاہ برداشت ہی نہیں کر سکتا کہ کوئی ہم سے محبت رکھے ہمیں دوسروں پر فوقیت دے بتاتا ہے کہ زائدہ اموی حکومت کے عظیم وظیفہ خواروں یا مقربین بارگاہ میں سے تھے لیکن اسی کے ساتھ وہ مخلص شیعہ اور موثق راوی بھی تھے۔ یہ زائدہ بن قدامہ ثقفی ہیں شیخ طوسی رح نے اپنے رجال میں انھیں اصحاب امام محمد باقرؑ میں شمار کیا ہے اُن کے بیٹے قدامہ بن زائدہ کے متعلق منتہی المقال میں مذکور ہے کہ امام جعفر صادقؑ کے اصحاب سے تھے۔

چوتھی فصل

عصر اول میں حائر حسینی کی کیفیت

اموی عہد حکومت میں کربلا کے چاروں طرف فوجی چوکیاں قائم تھیں جہاں فوج کا دستہ ہر وقت ہتھیاروں سے لیس متعین رہتا تھا تاکہ زائرین قبر حسینی تک نہ پہونچ سکیں اگر کوئی شخص حکم کی خلاف ورزی کرتا تو اُسے طرح طرح کی سزائیں دی جاتیں کبھی کبھی قتل بھی کر دیا جاتا بہت کڑی نگرانی کی جاتی تھی چوکیوں پر متعین سپاہی آنے جانے والوں پر سختی سے نظر رکھتے جس کے نتیجہ میں عام راستہ سے آنے جانے والے زائرین شاید و باید ہی بچ پاتے زیادہ تر زائرین

غاضریہ یا نینوا کی طرف سے ہو کر جاتے جس پر عام طور پر آمد و رفت نہیں ہوا کرتی تھی کربلا کے چاروں طرف متعین ان فوجی چوکیوں کا خوف ہی شروع شروع زائرین کے لیے بہت بڑی رکاوٹ بنا رہا۔

بنی اُمیّہ فطری طور پر اس بات پر مجبور بھی تھے کہ زائرین کی روک تھام کریں اور انھیں حسینؑ مظلوم کی قبر تک پہونچنے نہ دیں کیونکہ لوگوں کا پروانہ وار فرزند رسولؐ کی قبر کی زیارت کو آنا اموی سیاست کے بالکل منافی تھا۔ اس میں خطرہ تھا کہ کہیں اس حکومت کی بنیادیں متزلزل نہ ہو جائیں جس حکومت نے کل فرزند رسولؐ سے جنگ کی تھی اور انھیں بے دردی سے قتل کر ڈالا تھا آج کیسے اجازت دے سکتی تھی کہ لوگ انھیں فرزند رسولؐ کی قبر پر جائیں اس طرح تو دو باتوں میں سے ایک بات کا ثابت ہونا یقینی تھا یا تو فرزند رسولؐ حق پر تھے یا بنی اُمیّہ حق پر یہی وجہ تھی کہ بنی امیہ ایسی بات میں پڑنا ہی نہیں چاہتے تھے جس میں اُن کی ذلت و بدنامی تھی اور رفتہ رفتہ حکومت ختم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اسی لئے بنی امیہ لوگوں کو زیارت سے روکتے اور جو بھی زیارت کے لئے جاتا اس کو سخت سزائیں دیتے۔

مگر باوجود ان تمام کوششوں کے، باوجود اس سزا و عقوبت اور قتل و غارت کے زائرین کے آنے کا سلسلہ بند نہ ہوا۔ زیارت کو آنے والے تنہا بھی آتے اور جماعت کی شکل میں بھی۔ رات کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں آتے پھر آفتاب نکلنے سے پہلے ہی اپنی اپنی جگہ واپس چلے جاتے تھے جیسا کہ حسین ابن بنت ابی حمزہ ثمالی کی روایت میں گزر رہے جسے ہم گذشتہ صفحات میں نقل کر آئے ہیں۔ یہی کیفیت تقریباً ستر برس تک قائم رہی یعنی ۱۳۲ھ ہجری کے کچھ پہلے تک جبکہ بنی امیہ کی حکومت

پوری طرح منتشر نہیں ہو چکی تھی۔

اس ستر برس کی عرصہ میں حائر حسینی اسی شان سے قائم رہا کہ چاروں طرف کے فوجی چوکیاں اس کا حلقہ کیے ہوئے تھیں چوکیوں پر متعین سپاہی دُور سے اُس پر نظر جمائے رہتے اور جب رات تاریک ہو جاتی تو بہت سی پرچھائیاں اُس زمین پر حرکت کرتی نظر آتیں یہ زائرین کی پرچھائیاں ہوتیں جو قریب و دُور کے مقامات سے زیارت کو آتے۔ غاضریہ نینوی کوفہ اور آس پاس کی بستیوں کی طرف سے قبر حسینیؑ کی طرف پہونچتے ہر رات خصوصیت کے ساتھ جمعہ کی رات میں حائر حسینی زائرین سے چھلک جاتا۔ کوئی نوحہ و شیون کرتا کوئی نمازیں پڑھتا کوئی قبر مبارک کو بوسہ دیتا اس طرح کہ آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہوتا۔ یہ لوگ خوشی سے پھولے نہیں سماتے کہ ہمارے مقدر نے ہمیں فرزند رسولؐ کی قبر تک پہونچنے میں مساعدت کی پھر صبح ہوتے ہی حائر حسینی میں سناٹا ہو جاتا پردے گرا دیے جاتے دروازے بند کر دیے جاتے اور رات تک کوئی نہ آتا جاتا۔

روایات و احادیث سے بنی اُمیہ کے دَور حکومت میں حائر حسینی کی یہی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔

مگر باوجود اس کے کہ ستر سال کے عرصہ میں بنی امیہ زائرین کو ہر قسم کی اذیتیں پہونچایا کیے وہ نہ تو فطری و طبعی تقاضوں کی روک تھام کر سکے نہ لوگوں کے مذہبی معتقدات اور اہل بیت سے تمسک کے جذبہ کو ختم کرنے پر قادر ہوئے جتنی سخت کاوشیں قائم کی جاتیں اُتنی ہی سختی سے اُن کا مقابلہ کیا جاتا نہ معلوم کتنی گردنیں کٹیں کتنے سر کٹے کتنے ہاتھ پیر جسموں سے جدا ہوئے کتنوں کو پھانسیاں دی گئیں

کتنوں کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندوا ڈالا گیا پھر بھی زائرین کا تار ٹوٹا نہیں زیارت کو آنے والے آتے ہی رہے کیونکہ اہلبیت سے عقیدت لوگوں کے دل کی گہرائیوں تک راسخ اور اُن کی محبت رگ و پے میں جاری و ساری تھی۔

وہ قوی اور محکم اسباب جن سے مجبور ہو کر زائرین روضۂ حسینی تک پہونچتے اور اسکی راہ میں بڑی سے بڑی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لاتے کئی ایک تھے جیسے ایمان اور اہل بیت طاہرین کے متعلق دینی عقائد۔

ائمہ طاہرین کا شیعوں کو ترغیب دلانا کہ وہ حائر حسینؑ کی زیارت کو ضرور جائیں اور وہاں اللہ تعالےٰ سے دعائیں مانگیں حائر حسینی سے قریب ایسی پناہ گاہوں کی موجودگی جہاں زائرین بنی امیہ کے سپاہیوں سے محفوظ رہ سکیں جیسے غاضریہ و نینوا وغیرہ۔

ان اسباب میں سے ہر سبب زائرین کے لئے زبردست محرک تھا وہ سر دھڑ کی بازی لگا کر زیارت کو پہونچے۔ ہم یہاں مذکورہ بالا اسباب کی اثر انگیزی پر مختصر سا تبصرہ کرنا چاہتے ہیں۔

اوّلاً:- اہل بیت پیغمبر کے متعلق لوگوں کا عقیدہ اور اس عقیدہ کا دل کی گہرائیوں تک راسخ ہونا سب سے بڑا محرک اس بات کا تھا کہ حائر حسینی کو مستحکم اور اُس کے شعائر کو قائم کیا جائے، اور دور و نزدیک ہر طرف سے قبر حسینی کی زیارت کو پہونچا جائے۔

بیشمار اخبار و احادیث بتاتی ہیں کہ شروع زمانہ ہی سے لوگ بقصد زیارت اور اپنی حاجتیں لے کر قبر مبارک پر آتے اور قبر مبارک سے نیکو کار دیندار بھی

کے لیے کرامات ظاہر ہوتے۔ علامہ سید حسن صدرؒ نے اپنی کتاب نزھۃ اھل الحرمین فی عمارۃ المشھدین ص۱۱ پر علی بن اسباط سے روایت کی ہے جو امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں سے تھے کہ جس سال امام حسینؑ شہید ہوئے تھے ہزاروں لاکھوں بے اولاد عورتیں قبر مبارک پر آئیں اور اپنی مراد کو پہونچیں چنانچہ قبر مطہر اور حائر حسینی مسلمانوں کی عام زیارت گاہ۔ شجاعت و جوانمردی کی ایک ابدی یادگار اور احرار و مفکرین کا کعبہ بن گیا قسمت کے مارے زمانہ کے ستائے اسی قبر مبارک کا رُخ کرتے اور اس کی یاد تازہ کرتے اور اپنے لیے شمع راہ بناتے جیسے مصعب بن زبیر۔ سلیمان بن صُرد خزاعی وغیرہ اور ان سے پہلے عبداللہ بن الحر الجعفی جنھوں نے ۶۱ھ ہجری کے کچھ ہی دنوں کے بعد حکومت سے ٹکر لی نیز مختار اور انھیں جیسے دوسرے لوگ۔

ثانیاً ائمہ طاہرینؑ کا شیعوں کو ترغیب دلانا کہ وہ قبر حسینی کی زیارت کو ضرور جائیں اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں یہ بھی بہت بڑا محرک ہوا چنانچہ تمام ائمہ طاہرین حضرت سید سجاد کے زمانہ ہی سے اپنے شیعوں اور دوستوں کو حائر حسینی کی زیارت اور وہاں دعا کرنے کی تاکید کرتے رہے۔ بنی امیہ کی طرف سے بھی روک تھام میں سختی برتی گئی ائمہؑ طاہرین کی طرف سے ترغیب و تاکید بھی اسی حساب سے ہوتی رہی یہ دونوں طاقتیں ایک حکومت کی طاقت دوسرے دین و مذہب کی طاقت برابر ٹکراتی رہیں مگر اس تصادم کا نتیجہ ہمیشہ یہ نکلا کہ تمام پابندیاں ہر قسم کی روک تھام بیکار گئیں اور شیعیان اہل بیتؑ ایک بہت بڑی جاہ و جبروت والی حکومت کے مقابلہ میں فتحیاب رہے۔

ائمہ طاہرین کی کوئی نشست امام مظلوم کے تذکرہ فضائل و مصائب و
آپ کے دشمنوں سے اظہار بیزاری سے خالی نہ رہی ہم قدامہ بن زائدہ ثقفی کی
وہ حدیث جو انھوں نے امام زین العابدینؑ سے روایت کی ہے اوپر بیان کرچکے
ہیں امام محمد باقرؑ کا طرز عمل بھی بالکل اپنے پدر بزرگوار جیسا رہا آپ زیارت امام
مظلوم کی راہ میں پیش آنے والی ہر مصیبت کو آسان قرار دیتے اور بتاتے کہ جتنا
خوف و ہراس کے عالم میں امام مظلوم کی زیارت کی جائے گی اتنا ہی اجر و ثواب
میں اضافہ ہوگا۔ محمد ابن مسلم بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے امام محمد باقرؑ نے پوچھا۔
"کیا تم قبر امام حسینؑ کی زیارت کو جاتے ہو؟ میں نے عرض کی جی ہاں!
مگر بہت ہی ڈرا سہما آپ نے فرمایا جتنا زیادہ خوف کے عالم میں زیارت کروگے
اتنا ہی زیادہ ثواب ملے گا جو شخص خوف و ہراس کے عالم میں زیارت بجالائیگا
خداوند عالم قیامت کے دن اُس کا ڈر دُور کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت
حاصل کرکے پلٹے گا اور اُس پر ملائکہ سلام کریں گے۔ (کامل الزیارت ص۱۲۷)
یہ بھی آپ بیان کیا کرتے کہ زائر حسینؑ کو ہر قدم پر کتنا ثواب ملتا ہے۔
سدیر صیرفی بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ امام محمد باقرؑ کی خدمت میں حاضر
تھے ایک نوجوان نے امام مظلوم کی قبر کا تذکرہ کیا آپ نے فرمایا زیارت حسینؑ
کے لیئے جانے والا جو قدم بھی اُٹھاتا ہے خداوند عالم اس کا ایک گناہ معاف
فرمادیتا ہے۔ (کامل الزیارت ص۱۳۲)
امام جعفر صادقؑ کے شروع کے زمانہ میں جبکہ ہشام بن عبدالملک کی حکومت
تھی روک تھام حد سے زیادہ سخت ہوگئی تھی جناب زیدؑ کے خروج اور شہادت کے

بعد جو سنہ ۱۲۱ ہجری میں ہوئی اموی حکام سختی سے روک ٹوک کرتے اور جو زائر بھی فوجی چوکیوں پر متعین سپاہیوں کے ہاتھ لگ جاتا اُس کے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے جاتے۔

مسمع بن عبد الملک بصری بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر صادقؑ نے پوچھا:-

"مسمع تم عراق کے رہنے والے ہو کیا قبر حسینؑ کی زیارت کو بھی جاتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ میں بصرہ میں مشہور و معروف ہوں بصرہ میں بہت سے لوگ ایسے بستے ہیں جو خلیفہ کے طرفدار ہیں اور ہمارے دشمن بہت ہیں مجھے ڈر رہتا ہے کہ کہیں حکومت تک میری شکایت نہ پہونچا دی جائے اور میرے ہاتھ پیر کاٹ ڈالے جائیں۔ امامؑ نے پوچھا امام حسینؑ پر جو مظالم ڈھائے گئے وہ بھی تمھیں یاد آتے ہیں یا نہیں؟ میں نے کہا جی ہاں! امامؑ نے پوچھا تم گریہ کرتے بھی ہو گے؟ میں نے عرض کی جی ہاں خدا کی قسم اور میں اتنا روتا ہوں کہ میرے گھر والے اس کا نمایاں اثر میرے چہرے پر دیکھتے ہیں میں کھانا پینا چھوڑ دیتا ہوں۔ امامؑ نے فرمایا خداوند عالم تمھارے آنسوؤں پر رحم کرے۔ تمھارا شمار اُن لوگوں میں ہے جو ہمارے غم میں غمگیں ہماری خوشی میں خوش ہمارے حزن و اندوہ میں محزون و اندوہگیں ہوتے ہیں۔ ہماری سراسیمگی سے وہ بھی سراسیمہ ہوتے ہیں اور ہمارے اطمینان سے انھیں اطمینان ہوتا ہے۔" (کامل الزیارہ ص۱۰۱)

یہ خوف و سراسیمگی جو لوگوں کے رگ و پے میں ساری اور دل میں جاگزیں ہوتی تھی امام جعفر صادقؑ کے ارشادات کو سن کر بہت جلد راحت و اطمینان

میں بدل جاتی خوف شدید کی جگہ عزم محکم لے لیتا مشتاقان زیارت پہلے سے بھی زیادہ تعداد میں پروانہ وار حائر حسینی کی طرف جاتے امام جعفر صادقؑ کے ارشادات واحادیث اسلامی ممالک کے گوشہ گوشہ میں پہونچتے ایک دوسرے سے بیان کرتا احباب و اعزا اپنے خطوط میں ایک دوسرے کو یہ ارشادات لکھ بھیجتے لوگوں کی ہمتیں بڑھ جاتیں فرط شوق کے سبب دلوں میں ہیجان پیدا ہو جاتا جتھے کے جتھے جزیرہ نمائے عرب اہل ایران وغیرہ کے گوشہ گوشہ سے حائر حسینی کی طرف چل پڑتے راستہ میں انھیں طرح طرح کے مصائب و مشکلات کا سامنا ہوتا اور وطن واپس ہونے تک دل اسے خوف و دہشت کے قابو سے باہر ہوتا

ابن بکیر ارجانی جو جنوبی ایران کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کی کہ میرا قیام ارجان میں رہتا ہے اور میرا دل آپ کے پدر بزرگوار کی طرف کھنچا رہتا ہے جب زیارت کے لئے نکلتا ہوں تب بھی دل ڈرا سہما رہتا ہے اور جب واپس ہوتا ہوں تب بھی ہر وقت حکومت اور چغل خوروں کا نیز حکومت کے سپاہیوں کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔

امامؑ نے فرمایا ابن بکیر! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمارے بارے میں خائف و ترساں دیکھے کیا تم نہیں جانتے کہ! جو شخص ہمارے خوف کی وجہ سے خائف ہوگا خداوند عالم اسے اپنے عرش کے سایہ میں پناہ دے گا امام حسینؑ تحت عرش اس سے ہمکلام ہوں گے خداوند عالم قیامت کی ہولناکیوں سے اسے بے خوف کردے گا قیامت کے دن سبھی ملائکہ و بدحواس ہونگے سوا اسکے اور اگر وہ سراسیمہ ہوگا

ہو گا تو ملائکہ اسے تسلی دیں گے اور خوشخبری دے کر اس کے قلب کو سکون بخشیں گے۔ (کامل الزیارت ص ۱۲۵-۱۲۶)

اندازہ ہوتا ہے کہ آگے چل کر سزاؤں میں مزید سختی کر دی گئی اور زائرین کے صرف ہاتھ پیر کاٹنے پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ حکومت سے سرتابی کرنیوالوں کو موت تک کی سزائیں دی جانے لگیں تاکہ حائر حسینی کی طرف آمد و رفت قطعی طور پر بند ہو جائے۔ لیکن ٹھیک ایسے ہی وقت زائرین تک امامؑ کے ایسے ارشادات پہونچتے جس سے دلکی تسلی ہو جاتی اور جتنا خوف لاحق ہوتا اُس سے کہیں زیادہ دل میں قوت اور ارادوں میں استحکام پیدا ہو جاتا زیارت امام مظلومؑ کی راہ میں ہر مصیبت و آفت آسان معلوم ہونے لگتی اور ظلم و جور سے ٹکر لینا ہی حق معلوم ہوتا۔

حائر مقدس اور زائرین امام مظلوم پر ظلم و قہر سختی اور تشدد کی یہی کیفیت بنی اُمیّہ کے پورے عہد حکومت میں رہی زائرین ان کی طرف سے ہر لحظہ دھڑکے میں رہے مگر جتنی ہی رکاوٹیں سخت سے سخت ہوتیں حکومت کی دہشت انگیزیوں میں جتنی زیادتی ہوتی رہی اتنی ہی شد و مد ائمہ طاہرینؑ کے ارشادات و احادیث میں زیارت امام مظلوم کی ترغیب اور رکاوٹوں کو خاطر میں نہ لانے کی تاکید ہوتی گویا اس طرح دبدبہ و اقتدار اور عقیدہ میں جنگ تھی حکومت و سیاست اور دین و مذہب میں صف آرائی تھی اور نتیجہ کار یہ ہوا کہ عقیدہ اور دین و مذہب کے مقابلے میں حکومت کو شکست فاش نصیب ہوئی وہ دبدبہ و اقتدار خاک میں مل گیا اور ۱۳۲ھ ہجری

ہیں جو امام جعفر صادق علیہ السلام کی زندگی کا درمیانی حصہ تھا بنی اُمیّہ
کی حکومت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو گئی اس حکومت کے خاتمے
کے بعد کربلا نے اطمینان کی سانس لی بنی عباس کے پہلے خلیفہ سفاح
کی حکومت میں جس کا سلسلہ دو برس تک رہا نیز منصور کے ابتدائی زمانہ
خلافت تک یہی اطمینانی فضا قائم رہی ممالک اسلامیہ کے گوشے گوشے
سے زائرین پوری آزادی اور اختیار کے ساتھ کربلا کی زیارت کو آیا کیے
کیونکہ ہر دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ قبر حسینی کی زیارت میں برکت سے
حاجتیں پوری ہوتی ہیں اور انجام بخیر ہوتا ہے جیسا کہ موسیٰ بن قسم حضرمی کی اس
روایت سے اندازہ ہوتا ہے جو اس نے ایک یمنی شخص کے بزمانہ منصور زیارت
امام حسین کے لیے کربلا آنے کے سلسلہ میں روایت کیا ہے۔ موسیٰ بن قسم کا بیان ہے کہ

"امام جعفر صادق شروع زمانہ خلافت منصور میں مدینہ سے تشریف
لائے اور نجف اشرف میں مقیم ہوئے آپ نے فرمایا:
موسیٰ بڑی سڑک پر جاؤ اور وہاں کچھ دیر ٹھہر کر انتظار کرو قادسیہ کی طرف
سے ایک شخص تمہیں آتا ہوا نظر آئے گا۔ جب وہ قریب آجائے تو اس سے
کہنا یہاں اولاد رسول سے ایک شخص قیام پذیر ہے اور وہ تم سے ملنے کا
خواہشمند ہے یہ سن کر وہ شخص تمہارے ساتھ آجائے گا۔

موسیٰ کہتا ہے کہ میں راستہ پر جا کر کھڑا ہوا گرمی بلا کی پڑ رہی تھی میں بڑی
دیر تک وہاں کھڑا رہا مگر کوئی نہیں آیا اور میں عاجز ہو کر واپس چلے جانے
کی سوچنے لگا دفعتہ مجھے جھلک سی ایک آدمی کی دکھائی دی جو اونٹ پر

سوار تھا میں نظریں جمائے دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ شخص قریب آپہونچا میں نے اُس سے کہا اے شخص یہاں ایک بزرگ اولاد رسولؐ سے تشریف فرما ہیں اور تم سے ملنے کے خواہشمند ہیں اور امؑ انھیں نے مجھے تمھارے آنے کی خبر دی تھی اُس شخص نے کہا مجھے ان تک لے چلو۔ میں اُس شخص کو امامؑ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا اُس نے امامؑ کے خیمہ کے قریب اپنا اونٹ بٹھایا اور امامؑ کی خدمت میں باریاب ہوا۔ میں خیمہ کے دروازہ پر اس طرح بیٹھ گیا کہ اندر کی باتیں تو آسانی سے سُن سکتا تھا مگر خیمہ کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ امامؑ نے اُس شخص سے پوچھا :- تم کہاں سے آئے ہو ؟

وہ شخص :- یمن کے دور دراز علاقہ سے۔

امامؑ :- تم فلاں مقام کے رہنے والے ہو؟

وہ شخص :- جی ہاں

امامؑ :- کس غرض سے آنا ہوا؟

وہ شخص :- میں امام حسینؑ کی زیارت کے قصد سے آیا ہوں۔

امامؑ :- زیارت کے علاوہ اور کوئی مقصد آنے کا نہیں۔

وہ شخص :- میری اور کوئی حاجت نہیں سوا اس کے قبر مبارک کے پاس نماز پڑھوں قبر کو دیکھوں سلام بجا لاؤں اور اپنے اہل وعیال کی طرف پلٹ جاؤں۔

امامؑ :- زیارت میں تمھیں کیا فائدہ نظر آیا؟

وہ شخص :۔ زیارت کی وجہ سے ہمارے نفوس ہمارے اہل وعیال اولاد واموال ہماری معاش میں برکت ہوتی ہے اور ہماری حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔

امام ؑ :۔ زیارت کی اور خوبیاں تمھیں نہ بتاؤں؟

وہ شخص :۔ فرزند رسولؐ ضرور ارشاد فرمائیے۔

امام ؑ :۔ امام حسینؑ کی زیارت پیغمبر خدا کے ساتھ ایک حج کرنے کے برابر ہو۔

وہ شخص :۔ تعجب ہے۔

امام ؑ :۔ ہاں خدا کی قسم بلکہ رسول اللہ کے ساتھ دو حج کرنے کے برابر۔

اس شخص نے اور بھی تعجب کا اظہار کیا اور امامؑ ہر مرتبہ بڑھاتے گئے یہاں تک کہ آپ نے فرمایا پیغمبر خدا کے ساتھ تیس ۳۰ مرتبہ حج کرنے کے برابر ہے۔ (کامل الزیارت ص ۱۶۲ - ۱۶۳)

اس زمانہ میں زائرین اپنے وطن سے مرکبوں پر سوار ہو کر حائر حسینیؑ کی زیارت کو آیا کرتے ظاہر ہے کہ یہ شرف انھیں لوگوں کو نصیب ہوتا جو روپیہ پیسہ والے ہوتے نادار یا متوسط الحال افراد جو طول طویل سفر کے اخراجات پر قادر نہ ہوتے اس شرف سے محروم رہتے انھیں نادار و مفلس افراد کو اس شرف سے بہرہ مند کرنے اور ان اجتماعات میں، جو حائر حسینی کے گرد زائرین کا ہوتا شرکت کی ترغیب دلانے کے لیے ائمہ معصومینؑ نے اپنے ارشادات واحادیث میں اس زائر کے لیے بے حساب اجر وثواب کا ذکر فرمایا جو پیادہ پا امام مظلومؑ کی زیارت کو آئے حسین بن ثویر بن ابی فاختہ بیان کرتا ہے :۔

امام جعفر صادق ؑ نے ارشاد فرمایا:۔ اے حسین ؑ جو شخص بقصد زیارت امام مظلوم اپنے گھر سے نکلے اگر وہ پیادہ پا ہوگا تو جتنے قدم اُس کے اس راہ میں اُٹھیں گے ہر قدم کے عوض خداوند عالم اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھے گا اور ایک گناہ اس کا محو کرے گا۔ اور جب وہ حائر میں پہونچ جائیگا اس کا نام منتخب اور فلاح یافتہ لوگوں میں درج ہوگا اور جب آداب زیارت بجالاچکے گا تو خداوند عالم اس کا نام فائز و رستگار لوگوں میں درج فرمائے گا۔ (کامل الزیارت ص۱۳۲)

ایک اور روایت جابر مکفوف نے ابو صامت سے نقل کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پیادہ پا زیارت کے لیے جانے والوں کا اجر و ثواب اس سے بھی زیادہ ہے ابو صامت کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق ؑ کو ارشاد فرماتے سُنا:۔

جو شخص پیادہ پا قبر حسین ؑ پر آئے گا خداوند عالم ہر قدم کے بدلے ہزار نیکیاں لکھے گا اور ہزار گناہوں کو محو فرمائے گا اور ہزار درجہ اس کا بلند کرے گا۔ جب تم فرات پر پہونچو تو غسل کرو نعلین ہاتھوں میں لٹکا لو اور ننگے پیر قبر مبارک کی طرف جاؤ اور اس طرح چلو جس طرح بندۂ ذلیل و خوار چلتا ہے جب حائر کے دروازہ پر پہونچو تو چار تکبیریں کہو۔ پھر کچھ دور چلو پھر چار تکبیریں کہو پھر امام مظلوم کے سرہانے آکر کھڑے ہو اور چار تکبیریں کہو اور چار رکعت نماز پڑھو اور اللہ سے اپنی حاجت طلب کرو۔ (کامل الزیارت ص۱۳۳)

حضرت صادق آل محمدؑ اور ائمہ طاہرینؑ کے انھیں ارشادات کا اثر تھا
کہ امام جعفر صادق کے زمانہ ہی میں کربلائے معلی مسلمانوں کے اکٹھا ہونے کی
بن گیا یہ ارشادات واحادیث ایک نے دوسرے سے بیان کئے دور و نزدیک
ہر مقام کے لوگوں نے یہ حدیثیں سنیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خصوصی دنوں میں چہار
جانب سے زائرین جوق در جوق یہاں پہونچنے لگے ان آنے والوں میں
صاحبان دولت و ثروت بھی ہوتے اور مفلس و نادار مومنین بھی جس
شخص میں بھی آنے کی صلاحیت ہوتی وہ زیارت کے لیے
ضرور پہونچتا اور رفتہ رفتہ زائرین کا اس جگہ آنا ایک دستور بن گیا آنے والے
خصوصی دنوں میں بھی آتے اور دوسرے دنوں میں بھی کیونکہ ائمہ طاہرین کی زبان
سے اس قسم کی حدیثوں نے لوگوں کے نفوس کو کربلا کی طرف متوجہ کرنے میں غیر
معمولی اثر کیا بہت سے زائرین اپنے ساتھ انواع واقسام کے کھانے اور
لذیذ غذائیں بھی ساتھ لاتے جیسے سیر و تفریح کے لیے جاتے ہوں اس پر ائمہ
طاہرین کی طرف سے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا چنانچہ ابوالمضا جو
اہل رقہ سے تھا بیان کرتا ہے کہ:۔

حضرت صادق آل محمدؑ نے مجھ سے پوچھا تم امام مظلومؑ کی قبر پر جاتے
ہو؟ میں عرض کیا جی ہاں! امامؑ نے پوچھا کیا جاتے وقت اپنے ساتھ
ناشتہ وغیرہ بھی لے جاتے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں! امامؑ نے
فرمایا اگر تم اپنے باپ ماں کی قبروں پر جاتے تو ہرگز ایسا نہیں کرتے۔
میں نے عرض کی پھر ہم وہاں کیا کھائیں گیا امام علیہ السلام نے فرمایا روٹی

اور دہ دہ۔ (کامل الزیارت ۱۲۹ و ۱۳۰)

ایسے ہی سخت لب و لہجہ میں آپ نے مفضل بن عمرو سے کہا تھا۔

تمھارا زیارت کو جانا نہ جانے سے بہتر ہے لیکن اگر تم زیارت کو نہ جاؤ تو یہ بھی بہتر ہے تمھارے جانے سے، مفضل نے عرض کیا حضورؑ ایسا کیوں فرمارہے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا تم لوگ اپنے باپ کی قبر پر تو محزون و مغموم رنجیدہ و دل ملول جاتے ہو اور حائر حسینی کی زیارت کے لئے طرح طرح کے کھانے پینے کا سامان لے کر تمھارا جانا ہوتا ہے۔ ہرگز نہیں تمھیں پراگندہ حال غبار آلود حالت میں وہاں جانا چاہیئے۔

(کامل الزیارت ۱۳۰-۱۳۱)

حضرت صادق آل محمد کو معلوم ہوا کہ بعض لوگ جب حائر حسینی کی زیارت کو جاتے ہیں تو وہاں کئی کئی دن قیام کرتے ہیں جس سے دوسرے زائرین کو دقت ہوتی ہے امامؑ نے حکم دیا کہ حائر حسینی کو اپنی قیام گاہ نہ بناؤ اور زیارت اور طلب حاجت کے بعد وہاں سے رخصت ہو جاؤ چنانچہ علی ابن حکم روایت کرتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا۔

"جب تم زیارت امام مظلوم کا ارادہ کرو تو اس طرح زیارت بجالاؤ کہ تم محزون و مغموم و دلگرفتہ دکھائی دو، پراگندہ حال غبار آلود اور پیاسے ہو کیونکہ امام مظلوم بھی اس حال میں قتل ہوئے کہ آپ انتہائی محزون و مغموم پراگندہ حال غبار آلود تھے اسی کے ساتھ تین روز کے بھوکے پیاسے بھی تم زیارت بجالاکر آپ کے وسیلہ سے اپنی دعائیں مانگو

پھر وہاں سے رخصت ہو جاؤ حائر حسینی کو اپنا گھر نہ بناؤ۔

(کامل الزیارت ص۱۳۱)

اسی قسم کے ارشادات اور احادیث سے امام جعفر صادق ؑ نے حائر مقدس کے دستور و آداب متعین فرمائے۔ ۱۱۳ھ ہجری سے لے کر ۱۴۸ ہجری تک جو ۳۵ سال کا طویل عرصہ ہوتا ہے آپ نے حائر مقدس کے حالات و معاملات پر پورے طور سے اپنی توجہ مبذول رکھی اور اس کے آداب و دستور متعین فرمائے گئے خواہ آپ کا قیام مدینہ میں رہا ہو یا کوفہ میں یا خود حائر مقدس میں اس مدت میں آپ نے بنی امیہ کی دہشت انگیزی ان کے دبدبہ اقتدار اور ان کی چیرہ دستیوں کا ہر وسیلہ سے مقابلہ کیا اور دور و نزدیک کے لوگوں کو زیارت امام مظلوم کی ترغیب دلائی کہ وہ تمام رکاوٹوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے امام مظلوم کی زیارت کو ضرور جائیں، زائرین کے نفوس کو گندگی و کثافت سے پاک کیا۔ حائر مقدس آنے والوں اور زائرین امام مظلوم کے فرائض و واجبات کی طرف نشاندھی کی اور حتی الامکان حائر حسینی کو مضبوط و مستحکم حسین و خوبصورت بنانے کی کوشش کی حالات نے جتنی بھی یاوری کی ان کاموں کے لیئے آپ نے روپے پیسے صرف کیئے حجاج و خدام فقرا و مساکین اور مسافروں پر داد و دہش کی چنانچہ اس زمانہ میں حائر مقدس کے متعلق جتنے بھی کام ہوئے آپ کے حکم اور ارشادات پر ہوئے۔

تیسرا سبب نینوی اور غاضریہ کا کربلا سے قریب ہونا۔

منجملہ ان اہم اسباب کے جن سے زیارت قبر امام مظلوم میں غیر معمولی ہو

میسر ہوئی اور زائرین کی آمد و رفت آسانی سے ممکن ہو سکی نینوی اور غاضریہ کا حائر سے نزدیک ہوتا ہے۔ غاضریہ بالکل راستہ پر واقع تھا زائرین عام طور پر اسی کو اپنی منزل مقصود بنا کر آتے وہاں آنے اور قیام کرنے پر کسی کو اعتراض کرنے کی گنجائش ہی نہیں تھی زائرین کرغاضریہ میں قیام کرتے پھر مخفی طور پر وہاں سے حائر مقدس میں پہونچ جاتے غالباً بنو امیہ کے پورے دور حکومت میں زائرین امام مظلوم یہی طریقہ اختیار کیا کئے اور اس طرح وہ جاسوسوں اور فوجی چوکیوں پر متعین سپاہیوں کی نظروں سے محفوظ رہے۔ اسی طریقہ پر عمل ہوتا رہا اور ائمہ طاہرین نے بھی اس طریقہ کو پسند کیا بلکہ اسی کی تاکید کی چنانچہ ابو حمزہ ثمالی جو امام جعفر صادقؑ کے معتمد صحابی ہیں بیان کرتے ہیں کہ حضرت صادق آل محمدؐ نے فرمایا :-

جب زیارتوں سے فارغ ہو کر تم رخصت ہونا چاہو تو زیادہ سے زیادہ رخصت لو اور چاہئے کہ تمہارا قیام نینوی یا غاضریہ میں رہے اور جب زیارت کا ارادہ کرو تو پہلے غسل کرو پھر اس طرح زیارت بجا لاؤ جس طرح جدائی کے وقت زیارت کی جاتی ہے۔ اور جب تم زیارت سے فارغ ہو جاؤ تو اپنا چہرہ امام مظلوم کے چہرہ کی طرف کرو اور کہو ...... (کامل الزیارۃ صفحہ ۲۵۲)

بظاہر اسی سبب سے غاضریہ کے فضائل میں کثرت سے حدیثیں وارد ہوئی ہیں چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے :-

- غاضریہ بیت المقدس کی خاک ہے۔ (کامل الزیارت صفحہ ۲۶۹)

بہت سی حدیثوں میں کربلا کو غاضریہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے چنانچہ امام محمد باقرؑ اپنے شیعوں اور دوستداروں کو زیارت امام مظلوم اور غاضریہ میں قیام کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"غاضریہ میں ہماری قبروں کی زیارت بجالاؤ۔ (کامل الزیارۃ ص۲۶۹)

شروع زمانہ میں غاضریہ ایک بھرا پُرا گاؤں تھا جس کا سلسلہ کربلا کے شمال مشرق تک پھیلا ہوا تھا اسی کے راستہ میں حضرت عباسؑ کا روضہ ہے جہاں آپ ساحل فرات پر مدفون ہیں جو آپ کی جائے شہادت ہے اس بنا پر بظاہر غاضریہ کی جگہ وہ ہے جہاں آج باغات ہیں نہر حسینیہ کے دائیں جانب شہر کربلا کے شمال مشرق کی طرف تل مینائی اور مقام[1] امام جعفر صادقؑ اور "چار نہر" کے بیچوں بیچ یہ جگہ آج بھی غاضریات کے نام سے پکاری جاتی ہے۔ غاضریہ میں بنی عامر کا ایک خاندان آباد تھا جو بنی اسد کے قبیلہ سے تھے۔

اسی طرح نینویٰ بھی ایک آباد گاؤں تھا جو کربلا کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔ تاریخ میں اس کا نام غاضریہ کی بہ نسبت زیادہ آیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ زیادہ تر زائرین اسی نینوا میں آکر ٹھہرا کرتے تھے اور بنی امیہ کے تاریک و دہشت انگیز زمانۂ حکومت میں اسی غاضریہ اور نینویٰ سے ہو کر حائر مقدس میں پہنچتے

---

[1] امام جعفر صادق علیہ السلام نے امام مظلومؑ کی زیارت بجالانے سے قبل فرات میں جس جگہ غسل فرمایا تھا اُس جگہ کو ایک تاریخی یادگار کی حیثیت دی گئی اور آج بھی یہ جگہ ایک تاریخی یادگار کی حیثیت رکھتی ہے ۱۲

اور زیارت بجالا کر پھر انھیں دونوں گاؤں میں واپس آجاتے یہی تین وہ اہم اسباب تھے جن سے شروع زمانہ میں شیعوں اور دوستدارانِ اہلبیتؑ کی ہمت بڑھی نہ صرف یہ کہ وہ برابر زیارت امام مظلومؑ کے لیے حائرِ مقدس میں پہونچا کیے بلکہ انھوں نے اس کی عمارت کو مضبوطی و استحکام بخشا اور اس کے شعائر قائم کیے۔

اور باوجود اس کے بنی اُمیہ نے زائرین امام مظلوم کے لیے ہر قسم کی رکاوٹ کھڑی کی اُن پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے اُنھیں نت نئے عذاب و عقاب میں مبتلا کیا لیکن یہ واقعہ ہے کہ امام مظلومؑ کی شہادت کے بعد سترّ برس کا عرصہ یعنی بنی امیہ کی حکومت کے خاتمہ تک کی مدت کربلا اور قبر امام حسینؑ کے لیے بہترین زمانہ تھا۔ بنی اُمیہ اور بنی عباس دونوں کے عہد حکومت کے لحاظ سے اس لیے کہ بنی امیہ نے اگرچہ امام حسینؑ کو کربلا میں تین روز کا بھوکا پیاسا شہید کیا۔ لیکن انھوں نے اتنے ہی پر اکتفا کی قبر مطہر سے کوئی تعرض نہیں کیا اُسے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ نہیں بنایا رہ گئیں وہ فوجی چوکیاں جو کربلا کے آس پاس متعین کی گئیں زائرین قبر مطہر کی روک تھام اور یہ کوشش کہ قبر مطہر تک کوئی نہ پہونچنے پائے وہ صرف اپنی حکومت کی حفاظت کی غرض سے تھی حائر مقدس میں زائرین کے جمع ہونے اور امام مظلومؑ کی دردناک شہادت کے ذکر اذکار پر ڈر تھا کہ کہیں بغاوت نہ پھوٹ پڑے اور اہل بیت طاہرینؑ کی محبت کا دم بھرنے والے حکومت کا تختہ نہ اُلٹ دیں جیسا کہ عبید اللہ بن الحر الجعفی اور سلیمان بن صرد خزاعی وغیرہ کے واقعات میں ہوا۔ لیکن بنی عباس یہ تو جیسے اس غم و غصہ

ہیں کہ ہم بھی حسینؑ کا خون بہانے میں کیوں شریک ہوئے انھوں نے جی کی ساری بھڑاس قبر مطہر پر نکالی اور بار بار اس بات کی کوشش کی کہ قبر مطہر کا نام و نشان مٹ جائے حائر مقدس ویران اور شہر کربلا ایک بیابان کی صورت میں رہے اسی لیے مسلمانوں کے ہر طبقہ نے جی کھول کر انھیں برا بھلا کہا شعرا نے ان کی مذمت اور ہجو میں بے شمار اشعار کہہ ڈالے چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے :-

تاللہ ان کانت بنی امیہ قد اتت	قتل ابن بنت نبیھا مظلوما

خدا کی قسم اگر بنی امیہ نے پیغمبرؐ کے نواسے کو از راہ ظلم و ستم قتل کیا

فلقد اتاہ بنی العباس بمثلہ	ھذا لعمرک قبرہ مھدوما

تو بنی عباس نے جو پیغمبرؐ ہی کے خاندان سے ہیں ایسی ہی حرکت کی یہ حسینؑ کی قبر منہدم پڑی ہوئی ہے۔

اسفوا علی ان لا یکونوا شارکوا	فی قتلہ فتتبعوہ رمیما

انھیں بڑا دکھ ہے کہ وہ بھی حسینؑ کے قتل میں شریک کیوں نہ رہے اس کی کسر انھوں نے حسینؑ کی بوسیدہ ہڈیوں کو نشانۂ ظلم بنا کر پوری کی۔

بنی امیہ کا حائر مقدس سے تعرض نہ کرنا اور بنی عباس کا بار بار قبر مطہر کو اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنانا غالباً اس کا اصل سبب دار السلطنت کا محل وقوع ہے۔ یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ دونوں حکومتوں کا دار السلطنت حائر مقدس سے جتنا نزدیک ہوا اتنا ہی زیادہ اس کا بس چلا اور جتنا دور ہوا اتنا ہی کم۔ ملک شام چونکہ حائر مقدس اور کربلا معلےٰ سے کافی فاصلہ پر ہے اسی لیے اموی خلفاء کو کربلا میں کیا ہو رہا ہے پر توجہ کرنے کا کم موقع ملا برخلاف بنی عباس کے کہ ان کا دار السلطنت

بغداد تھا اور بغداد کربلا کے قریب ہی ہے۔ اسی طرح اموی سلاطین دمشق میں بیٹھ کر حائر حسینی کے خلاف جتنے منصوبے بناتے اُن کی اس طرح حرف بہ حرف تعمیل نہ ہو پاتی جس طرح بنی عباس کے منصوبے حرف بہ حرف عملی جامہ پہن لیتے اسی بغداد کی نزدیکی کی وجہ سے یہی وجہ ہے کہ اموی عہد حکومت میں حائر مقدس پر اتنی تباہیاں نہیں آئیں جتنی عباسی عہد حکومت میں آئیں۔

چوتھی فصل

حائر مقدس کی بابرکت زمین اور اُسکی پاک و پاکیزہ خاک

(۱) کربلا کی فضیلت اور اسلام میں اُسکی خاک کی پاکیزگی

کسی زمین کو بھی اسلام میں وہ شرف و فضیلت نہیں حاصل ہو سکی جو سرزمین کربلا کو حاصل ہے جیسا کہ صریحی احادیث اس کا روشن ثبوت ہیں کربلا کی سرزمین خداوند عالم کی انتخاب کردہ سرزمین ہے پاک و پاکیزہ و بابرکت۔ اور ان زمینوں میں جنھیں خدا و رسولؐ کا حرم قرار دیا گیا ہے یہ وہ قبۂ اسلام ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے۔ ان مومنین کو جو جناب نوحؑ پر ایمان لائے تھے طوفان سے نجات عنایت کی ان جگہوں میں سے ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت بجا لانا اور اُس سے

دعائیں مانگنا اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی وہ سرزمین ہے جس کی خاک میں شفا ہے۔ (کامل الزیارت ص ۲۸۶)

امام مظلوم کی شہادت کے بعد سے آج تک ارباب شعر و سخن اور علماء و مصنفین کربلا کی سرزمین کو کعبہ کی سرزمین کے ہم پلہ قرار دیتے رہے کربلا کے فضائل و مناقب اس کی پاکیزگی اس کا شرف نثر و نظم دونوں میں مختلف انداز و اسلوب سے بیان ہوتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اس سرزمین کو اسلام میں یہ بلندی مرتبہ امام حسینؑ کی شہادت ہی کی بنا پر حاصل ہوا احادیث سے اس کی صراحت ہوتی ہے۔

خاک کربلا کی فضیلت و پاکیزگی ائمہ طاہرینؑ ہی کی احادیث سے ثابت نہیں ہوتی نہ صرف ان احادیث میں اس کا ذکر ہے جو شیعوں کے طریق سے مروی ہیں بلکہ مسلمانوں کے ہر طبقہ و فرقہ کے علماء نے اپنی کتابوں میں سرزمین کربلا کے غیر معمولی فضائل کی حدیثیں درج کی ہیں۔ ابوریحان البیرونی نے اپنی کتاب آثار الباقیہ میں خاک کربلا کو مسعود و بابرکت کے لفظ سے ذکر کیا ہے علامہ سیوطی نے اپنی کتاب خصائص مطبوعہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۲۰ ہجری میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے وہ باب اخبار النبی بقتل الحسینؑ (پیغمبرؐ کی پیشنگوئی شہادت امام حسینؑ کے متعلق) اس باب میں انھوں نے امام بیہقی۔ ابونعیم اور انھیں جیسے دیگر اکابر علماء اہل سنت کے حوالے سے تقریباً ۲۰ حدیثیں مشاہیر اصحاب و ازواج پیغمبرؐ کی نقل کی ہیں جیسے ام الفضل بنت الحارث (حضرت عباس عم پیغمبرؐ کی بیوی) جناب ام سلمہ، حضرت عائشہ (ازواج پیغمبرؐ) انس بن

مالک وغیرہ زیادہ تر حدیثیں جناب عبداللہ بن عباس۔ اُمّ سلمہ۔ اور انس صحابیٔ پیغمبرؐ سے منقول ہیں اکثر حدیثوں کا مضمون یہ ہو کہ ہم پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا کہ حسینؑ آپ کی آغوش میں ہیں پیغمبرؐ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی نہریں جاری ہیں اور آپ کے ہاتھ میں سرخ رنگ کی مٹی ہے۔ اس کے متعلق دریافت کرنے پر پیغمبرؐ نے فرمایا۔

"جبریل امین میرے پاس آئے تھے اُنھوں نے بتایا کہ عنقریب میری امت میرے اس فرزند کو قتل کر ڈالے گی جبریل اس سرزمین (کربلا) کی سرخ مٹی بھی میرے پاس لائے اور یہی وہ مٹی ہے"

بعض روایتوں میں ہے کہ پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا۔

میرا یہ فرزند سرزمین عراق پر قتل کیا جائے گا اور یہ وہیں کی خاک ہے۔ آں حضرتؐ نے وہ خاک جناب ام سلمہ کے حوالہ کی اور فرمایا کہ جب تم دیکھنا کہ یہ مٹی خون بن گئی ہے تو سمجھ لینا کہ میرا فرزند قتل کر ڈالا گیا۔ جناب ام سلمہ برابر اس خاک کی نگہداشت کرتی رہیں۔ یہاں تک کہ سنہ ۶۱ ہجری میں عاشورۂ محرم آیا اُس دن جناب اُمّ سلمہ نے دیکھا کہ وہ خاک خون بن گئی ہے (دیکھئے مشکوٰۃ جلد ۸ صفحہ ۱۳۹، مسند امام احمد بن حنبل جلد ۱ صفحہ ۸۵، مستدرک امام حاکم جلد ۴ صفحہ ۳۹۸)

ان روایات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کربلا کی فضیلت اور اُسکی خاک کی پاکیزگی پر ہر طبقہ اور ہر مکتبۂ فکر کے مسلمانوں کا اتفاق ہے البتہ بعض دشمنان تشیع نے سیاسی اغراض کے تحت اس سلسلہ میں شیعوں پر نت نئی تہمتیں لگائی؛

ہیں اور ان تہمتوں کا اتنا پروپیگنڈا کیا ہے کہ بہت سے سادہ لوح عوا
غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے حتیٰ کہ بعض مستشرقین یورپ بھی جنھیں مسلمانو
کے مذہبی اختلاف اور ان کے رسوم و عادات سے قطعی واقفیت نہ تھی
برطانوی انسائیکلو پیڈیا کی تدوین کے وقت شک وشبہ میں پڑ کر مجبور ہوئے
کہ عراق کے اکابر علمائے شیعہ سے اس سلسلہ میں استفسار کریں (دیکھئے کتاب
الارض والتربتہ الحسینیہ)

شک وشبہ کی وجہ دشمنانِ تشیع کا یہی پروپیگنڈا تھا کہ وہ خاک جس پر
شیعہ نماز میں ..... سجدہ کرتے ہیں بدعت ہے دین میں نرالی چیز ہے جب یہ
پروپیگنڈا دن گزرنے کے ساتھ ہی ساتھ پھیلتا گیا اور مسلمانوں کی اکثریت
اس پروپیگنڈا کا شکار ہو گئی ہر شخص یہ سمجھنے لگا کہ واقعی یہ سجدہ گاہ بدعت ہے
تو ان دشمنانِ تشیع نے دوسرا راگ الاپنا شروع کیا کہ یہ بُت پرستی ہے اور خاک
قبر حسینؑ پر سجدہ کرنا ایک طرح اصنام اور بتوں کی پرستش کرنا ہے ان دشمنانِ
تشیع کو اس کی بھی تمیز نہ ہوئی کہ کسی چیز پر سجدہ کرنا اور چیز ہے اور کسی چیز کے لئے
سجدہ کرنا اور بات ہے انھوں نے سجدہ گاہ کے نت نئے نام رکھے قرص۔ لوح
حجر۔ حکر اسی طرح اور بہت سے نام۔

ہم یہاں صرف اظہار حقیقت کے طور پر نیز عامتہ المسلمین اور مبتلائے فریب
مستشرقین یورپ پر حقیقت حال واضح کرنے کے لئے سجدہ گاہ کے موضوع پر
تاریخی اور دینی دونوں حیثیتوں سے بحث کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اس مسئلہ کو خاک
قبر امام حسینؑ اور اس کی پاکیزگی سے گہرا تعلق ہے ہم اس کو ترتیب وار بیان

کرتے ہیں خاک کربلا کی پاکیزگی و قداست اسلام میں۔

کس چیز پر سجدہ جائز ہے اور کس چیز پر نہیں اس بارے میں شیعہ اور دیگر فرقوں کے اختلافات

کربلا کی خاک کو سجدہ گاہ کیوں بنایا گیا ہے اسکے فضائل میں کتنی حدیثیں وارد ہوئی ہیں ائمہ طاہرینؑ کا عمل کیا رہا۔ دینی حیثیت سے خاک قبر حسینؑ پر سجدہ کرنے کا راز کیا ہے؟ کسی چیز پر سجدہ کرنے اور کسی چیز کے لیئے سجدہ کرنے میں کیا فرق ہے؟ افترا پردازوں کے ان اعتراضات کا جواب جو خاک قبر حسینیؑ پر سجدہ کرنے کے سلسلہ میں وارد کرتے ہیں۔

خاک قبر کا احترام اور اسلام میں اس سے برکت حاصل کرنے کا دستور

خاک قبر کا احترام مسلمانوں کا قدیمی طور طریقہ رہا پیغمبرؐ کے زمانہ ہی میں اسکی داغ بیل پڑ چکی تھی جیسا کہ خود حضرات اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے شہدائے اسلام کی خاک قبر، پیغمبرؐ کی خاک قبر، حتیٰ کہ بعض صحابہ کی خاک قبر کا بھی احترام کرنا اور اس سے شفا چاہنا شروع زمانہ کے مسلمانوں کی پسندیدہ عادت تھی صدر اول کے اسلامی معاشرہ میں اس کا دستور سنہ ۳ھ ہی کے بعد سے چل نکلا تھا سنہ ۳ھ میں جنگ اُحد ہوئی جس میں جناب حمزہ عم پیغمبرؐ شہید ہوئے آپ کی قبر کی خاک ہر طرح کی بیماری خصوصیت کے ساتھ سر کے درد میں بطب شفا سمجھی جاتی اسی طرح مسجد نبوی کی خاک بھی بطور تبرک اور بطور دوا استعمال کی جاتی تھی چنانچہ علامہ سید برزنجی اپنی کتاب نزہۃ الناظرین فی تاریخ مسجد

سید الاولین والآخرین - مطبوعہ مصر کے صفحہ ۱۱۶ پر لکھتے ہیں:-

"جو شخص مدینہ نبوی کی کوئی چیز مدینہ سے باہر لے جائے واجب ہے اس پر کہ مدینہ ہی میں واپس پلٹا دے، واپس پلٹانے کی قدرت رکھتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص ایسا نہ کرے گا تو عاصی سمجھا جائے گا۔ البتہ علماء نے ان چیزوں کو مستثنیٰ کیا ہے جس کی سفر میں حاجت رہتی ہے جیسے حرم نبوی کی خاک سے بنا ہوا برتن یا وہ خاک جو بطور دوا استعمال کی جائے جیسے جناب حمزہ کی جائے شہادت کی خاک جسے لوگ سر کے درد میں استعمال کرتے ہیں صہیب رومی کی خاک قبر۔ ان چیزوں کے باہر لے جانے کی متقدمین و متاخرین بھی علماء نے اجازت دی ہے۔"

پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد آپ کی خاک قبر بھی بطور تبرک اور دوا استعمال کی جانے لگی چنانچہ سید نور الدین شافعی سمہودی اپنی کتاب وفاء الوفاء باخبار دار المصطفےٰ میں لکھتے ہیں:-

"مطلب سے روایت ہے کہ مسلمان پیغمبرؐ کی قبر کی خاک لے جایا کرتے حضرت عائشہ نے وہاں دیوار کھچوا دی اس دیوار میں ایک سوراخ تھا لوگ اس سوراخ سے خاک لے جانے لگے حضرت عائشہ نے وہ سوراخ بھی بند کرا دیا۔ (وفاء الوفاء جلد ۱ صفحہ ۳۸۵ مطبوعہ مصر)"

علامہ سمہودی نے یہ نہیں لکھا کہ حضرت عائشہ نے ایسا کیوں کیا؟ غالباً اس وجہ سے کیا ہو گا کہ اس مکان پر حضرت عائشہ کا قبضہ تھا انبیاء و شہداء کی قبروں سے تجاوز کر کے اُس زمانہ کے مسلمان بعض صحابہ کی خاک قبر بھی بطور تبرک

استعمال کرنے لگے جیسے صہیب رومی کی خاک قبر جس کی علامہ برزنجی نے نزہتہ الناظرین میں صراحت کی ہے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ صہیب ہی کو خصوصیت کے ساتھ یہ شرف کیوں ملا دیگر صحابۂ کرام اس سے کیوں محروم رہے۔

بعد کے زمانوں میں رواج کی ترقی

بات اسی حد تک نہ رہی بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ جُوں جُوں زمانہ گزرتا گیا اس میں ترقی ہی ہوتی گئی اور اہل اسلام صرف خاک قبر ہی کا احترام نہیں کیا کیے بلکہ محترم شخصیتوں کی خاک قدم کو بھی اُنھوں نے آنکھوں سے لگایا۔ شیخ عبد القادر فاکہی حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل میں لکھتے ہیں:-

شیخ امام سبکی نے دار الحدیث کے فرش پر اپنے رخسارے ملے جس پر امام نووی (شارح صحیح مسلم) کے قدم پڑا کیے تھے غرض یہ تھی کہ اُن کے پیروں کی برکت اُنھیں نصیب ہو اور اُن کی بیش از بیش عظمت و جلالت سے اُنھیں بھی فیض حاصل ہو چنانچہ وہ اپنے اشعار میں کہتے ہیں:-

وفی دار الحدیث لطیف معنی | علی بسط لھا اصبو و آوی
لعلی ان انال بحر وجھی | مکانا مسہ قدم النواوی

دار الحدیث کے فرش پر میں وارفتہ و شیدا اور اسکا چکر لگاتا رہتا ہوں بہت ممکن ہے رخسارے اس جگہ کو پالیں جہاں نووی کے قدم پڑ چکے ہیں۔

کچھ زمانہ اور گزرنے کے بعد مزید ترقی ہوئی اور انسانوں ہی کی خاک قدم کی عزت و تکریم پر بس نہیں کی گئی بلکہ گھوڑوں خچروں کی خاک قدم بھی تبرک سمجھی جانے لگی جیسا کچھ علامہ ابن خلکان جلال الدولہ بن الپ ارسلان سلجوقی کے حالات میں لکھتے ہیں :-

"شیخ ابو اسحاق (کتاب المہذب، التنبیہ کے مصنف) چار مہینے سے بھی کم مدت میں بغداد واپس آگئے وہاں انھوں نے امام الحرمین سے مناظرہ کیا تھا جب وہ نیشاپور سے چلنے لگے تو امام الحرمین انھیں رخصت کرنے کے لیے باہر نکلے اور رکاب تھام کر انھیں سوار کیا۔ اس واقعہ کے بعد خراسان میں ان کا درجہ و مرتبہ بہت بلند ہو گیا لوگ انکے خچر کے قدموں کے نیچے کی خاک برکت حاصل کرنے کی نیت سے اٹھانے لگے۔ (وفیات الاعیان لابن خلکان جلد ۲ صفحہ ۱۲۳)

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاک کی عزت و تکریم اس سے شفا چاہنا اس کو متبرک سمجھنا خواہ وہ شہداء کی خاک قبر ہو یا پیغمبرؐ کی خاک قبر یا حرم کی خاک ہو حد یہ ہے صہیب رومی کی خاک قبر بھی بہت مشہور و معروف بات تھی شروع زمانۂ اسلام ہی سے اسکا دستور چلا آرہا تھا اور مسلمان اس کے عادی تھے پھر بزرگان دین و علمائے اسلام کی خاک قدم کا احترام کہ جہاں اُن کے پیر پڑے تھے وہاں اپنے رخسارے رکھنا نیکبختی اور برکت حاصل کرنے کے لیے اپنی پیشانیاں رگڑنا بلکہ خچر کے قدموں کی خاک بھی تبرک قرار دینا اس زمانہ میں جو اسلام کا درمیانی دور تھا عام طور پر مروج

تھا۔ لہٰذا اگر شیعہ حسینؑ مظلوم کی خاک قبر کا احترام کرتے ہیں تو کون سی حیرت کی بات ہے جبکہ حسینؑ کی خاک قبر ہر خاک سے بڑھ کر طیب و طاہر پاک و پاکیزہ ہے اس کے فضائل میں پیغمبر خدا کے ارشادات بھی موجود ہیں پیغمبر خدا اور جناب حمزہ کی خاک قبر کے متعلق تو اہل سنت کی کتابوں میں حدیثیں بھی ملتی ہیں صہیب رومی وغیرہ کے متعلق تو کوئی حدیث بھی نہیں۔

شیعہ اور دیگر مسلمانوں کے درمیان سجدہ کے بارےمیں اختلاف ہونیکی وجہ کس چیز پر سجدہ جائز ہے کس چیز پر نہیں؟

سجدہ کے معاملہ میں مسلمانوں کا عام طور پر عمل پیغمبر خدا کی اس مشہور مسلم الثبوت حدیث پر ہے کہ:۔

جعلت لی الارض مسجداً وطھوراً — میرے لیئے زمین سجدہ گاہ اور پاک و پاکیزہ قرار دی گئی۔

شیعہ ہوں یا دیگر تمام اسلامی فرقے سب ہی کا عمل اسی حدیث پر ہے مگر شیعوں میں اور دیگر اسلامی فرقوں میں اختلاف کی وجہ کیا ہے؟ مسلمانوں کے دوسرے فرقے ہر چیز پر سجدہ کرنا جائز قرار دیتے ہیں اور شیعہ صرف زمین اور اُن چیزوں پر جو زمین سے اُگی ہوں اور وہ کھانے پہننے کی نہ ہوں اور معادن نہ ہوں سجدہ جائز قرار دیتے ہیں اس اختلاف کا سبب بظاہر فقہی

اختلاف ہے شیعوں نے پیغمبر خدا کی مذکورہ بالا حدیث کے معنی کچھ اور سمجھے اور
دیگر مسلمانوں نے کچھ اور پہلا اختلاف تو یہ ہے کہ زمین کے معنی کیا ہیں اور اس کا
اطلاق کن کن چیزوں پر ہوتا ہے دوسرا اختلاف یہ کہ پیغمبر خدا نے جو یہ فرمایا ہے
کہ زمین میرے لیئے سجدہ گاہ اور پاک و پاکیزہ قرار دی گئی اس کا مطلب کیا ہے

زمین کے مفہوم و معنی میں اختلاف

شیعوں کا نظریہ یہ ہے کہ زمین سے مراد وہی چیز ہے جس پر زمین کا اطلاق
ہو یعنی یہی زمین جسے ساری دنیا زمین کہتی ہے اسی لیئے شیعوں کے نزدیک
صرف زمین ہی پر سجدہ جائز ہے ایسی کسی چیز پر نہیں جس پر زمین کا اطلاق
نہ ہوتا ہو زمین ان کے نزدیک یہی زمین ہے اور چیزیں جو زمین سے اگتی
ہیں کھانے پینے کی چیزوں اور کانوں کو چھوڑ کر کیونکہ کھانے پینے کی چیزوں پر
زمین کا اطلاق نہیں ہوتا لہذا ان پر سجدہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس بنا
پر شیعوں کے نزدیک فرش و فروش، دری، قالین وغیرہ پر بھی سجدہ
جائز نہیں نہ لوہا، پیتل تانبہ، سونا چاندی اور دیگر معدنی اشیاء نہ معدنی
پتھروں پر جیسے سنگ مرمر وغیرہ نہ پھلوں اور میوہ جات غلہ جات اور گوشت
وغیرہ پر سجدہ کرنا جائز ہے کیونکہ ان چیزوں پر زمین کی لفظ نہیں بولی جاتی
ہے نہ زمین کا مفہوم ان چیزوں کو شامل ہے۔
چونکہ اس فقہی مسئلے کی باریکیاں ہر شخص کی سمجھ میں آنی مشکل تھیں
عوام الناس یہ سمجھنے سے قاصر تھے کہ کس چیز پر سجدہ جائز ہے کس چیز پر

نہیں اس لئے ان پیچیدگیوں سے نکلنے کے لئے آسان صورت یہ اختیار کی گئی کہ خاک پر سجدہ کیا جانے لگا کیونکہ خاک پر سجدہ تو یقینی طور پر جائز ہے۔ اس حد تک تو شیعوں پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ ہی نہیں کہ وہ خاک پر کیوں سجدہ کرتے ہیں۔

اب رہ گیا اس مسئلہ کا دوسرا پہلو وہ یہ کہ چونکہ ہر جگہ مٹی کا پایا جانا مشکل ہے جیسے پختہ مکانات وغیرہ ہیں۔ نیز گر پڑ کر ضائع ہو جانے کے ڈر سے اس کا ساتھ رکھنا اور ساتھ لے جانا بھی دشوار ہے اس لئے ضروری ہوا کہ مٹی کا کوئی ڈھیلا ساتھ رکھ لیا جائے تاکہ اس پر سجدہ ہو سکے اس کی مناسب صورت یہ ہے کہ گوندھی اور سکھائی ہوئی مٹی کا ٹکڑا ہو تاکہ ٹوٹ پھوٹ نہ سکے اور نماز میں اس پر سجدہ کیا جا سکے۔ یہی گوندھی اور سکھائی ہوئی مٹی کا ٹکڑا خواہ چوکور ہو یا گول یا مستطیل دشمنان تشیع کی نگاہوں میں کھٹکتا ہے اور شیعوں پر طعن و تشنیع کرتے ہوئے اسے طرح طرح کے نام دیتے ہیں۔ لوح۔ قرص اور نہ معلوم کیا کیا۔ حالانکہ یہ ٹکڑا مٹی ہی کا ایک حصہ ہے جسے شیعہ سجدہ کے لئے استعمال کرتے ہیں تاکہ ان کی پیشانی نماز پڑھتے وقت خاک ہی پر پڑے کسی اور چیز پر نہیں یہ صورت صرف سہولت کی غرض سے اختیار کی گئی ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ شیعوں کے نزدیک یہ بھی کوئی ضروری لازم نہیں کہ جب بھی سجدہ کیا جائے سجدہ گاہ ہی پر کیا جائے نہ اسے ذاتی طور پر وہ کوئی قابل احترام چیز سمجھتے ہیں جیسا کہ دشمنان تشیع شیعوں پر تہمت دھرتے ہیں۔ شیعہ ہر اس چیز پر سجدہ کرتے ہیں جو زمین کا حصہ یا زمین سے اُگی ہوئی چیز ہو جیسے لکڑی۔ پتے وغیرہ۔

یہ بات بھی ایسی نہ تھی جس کی بنا پر شیعوں کو نشانہ طعن و تشنیع بنایا جاتا۔ اُن کا قصور صرف یہ ہے کہ وہ زمین کا مفہوم وہ نہیں سمجھتے جو دوسرے برادران اسلام سمجھتے ہیں شیعوں کے نزدیک زمین یہی زمین ہے اور اُس سے اُگی ہوئی چیزیں۔ بشرطیکہ وہ کھانے پینے کی نہ ہوں اور معدنیات نہ ہوں اور برادران اسلام ہر چیز پر سجدہ کرنا جائز سمجھتے ہیں شیعوں کے نزدیک نہ تو دری اچاندنی قالین وغیرہ پر سجدہ کرنا جائز ہے نہ لوہے تانبے چاندی سونا وغیرہ نہ معدنی پتھروں پر جیسے سنگ مرمر وغیرہ نہ اُس مٹی پر جو آگ میں پکائی گئی ہو نہ میوہ جات اور پھلوں پر نہ گوشت اور غلہ جات وغیرہ پر کیونکہ اُن پر زمین کی لفظ نہیں بولی جاتی لہذا شیعوں کا عمل خدا و رسول کے ارشاد کے مطابق ہے یا دوسروں کا؟

دوسرا اختلاف زمین کی پاکیزگی اور اُسکے جائے سجدہ ہونیکے متعلق

دوسرا اختلاف شیعہ اور دیگر اہل اسلام کے درمیان نماز میں جائے سجدہ کے پاک ہونے کے متعلق ہے شیعوں کا نظریہ یہ ہے کہ وہ زمین جس پر انسان سجدہ کرے اس کا پاک ہونا واجب ہے کیونکہ پیغمبر خدا کی لفظیں ہیں:

جعلت لی الارض مسجدًا — زمین میرے لیے جائے سجدہ اور

وطہورًا — پاک و پاکیزہ قرار دی گئی ہے۔

یہ پاک و پاکیزہ کی لفظ بتاتی ہے کہ جائے سجدہ کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔ دوسرے مسلمان اس کے قائل نہیں ان کا نظریہ یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا جس جگہ نماز کے لیے کھڑا ہو وہ پاک ہونا چاہیئے سجدہ خواہ وہ پاک چیز پر

کرے یا جس چیز پر۔ لیکن ایسا وہ کس دلیل کی بنا پر کہتے ہیں اس کا پتہ نہیں چلنے پاتا۔ اسی وجہ سے شیعوں نے پاک وصاف مٹی کے ٹکڑے کو اختیار کیا تاکہ اُن کی جائے سجدہ پاک بھی ہو اور اُن چیزوں میں سے بھی جس پر سجدہ جائز ہے۔

ہمیں اس مسئلہ میں پڑنے کی ضرورت نہ تھی یہ بات ہمارے موضوع بحث سے خارج بھی تھی مگر چونکہ خاک کربلا کو سجدہ گاہ بنانے میں شیعوں پہ طرح طرح کی تہمتیں دھری جاتی ہیں لہذا اس مسئلہ کو صاف کر دینا ضروری تھا یہ دنیا جانتی ہے کہ شیعوں نے اپنے دینی مسائل اہل بیت طاہرین سے حاصل کیے جو معدن نبوت و رسالت تھے۔ انھوں نے الفاظ شرعیہ کے معانی و مطالب ایران و توران کے غیر ملکیوں سے نہیں حاصل کیے تاکہ کہا جاتا کہ انھوں نے الفاظ شرعیہ کے اصل معنی نہیں سمجھے انھوں نے دین و مذہب ائمہ طاہرینؑ سے حاصل کیا جو پیغمبرؐ کے جگر گوشے اور اُن کی گود کے پالے تھے اور پیغمبر خدا سے بڑھ کر کوئی فصیح و بلیغ نہ ہوا ظاہر ہے کہ ائمہ طاہرینؑ دین اور شرعی مسائل کو جیسا سمجھ سکتے تھے غیر ممالک کے مسلمانوں کو دیا سمجھنا بلکہ خود عربوں کا بھی سمجھنا مشکل تھا اس لیے کہ ائمہ طاہرینؑ خالص عرب بھی تھے اور شرعی احکام اُنھیں کے گھر سے جاری ہوئے تھے بہت سے صحابۂ کرام باوجود ایک عرصۂ دراز تک پیغمبرؐ کی خدمت میں باریاب رہنے کے شرعی مسائل کی باریکیوں کو اس طرح نہ سمجھ سکے جس طرح ائمہ طاہرینؑ نے سمجھا حالانکہ وہ پیغمبر خدا کے بہت بعد ہوئے یہ ناقابل انکار حقیقت ہے

کہ جب تک شریعتِ اسلامیہ موالی (یعنی مفتوحہ ممالک کے مسلمانوں) کے ہاتھ میں نہیں پڑی تھی۔ تمام مسلمان شرعی مسائل میں متحد۔ و متفق رہے مگر جب اہل عرب غیر ملکی فتوحات میں لگ گئے اور قرآن و حدیث کی خدمتیں تنہا موالی کے ہاتھ میں رہ گئیں تو ہر ایک نے اپنے سابق ملک و وطن اور قوم و قبیلہ کے افکار و نظریات کو پیشِ نظر رکھ کر قرآن و حدیث کے معانی و مطالب نکالے۔

سجدہ گاہ کیلئے خاک کربلا اختیار کرنے کی وجہ

کربلائے معلّیٰ یا حائر حسینی کی خاک کو سجدہ گاہ بنانے کی وجہ وہ حدیثیں ہیں جو اس سلسلہ میں ائمہ طاہرینؑ سے وارد ہوئی ہیں اصل میں یہ عادت عہد پیغمبر خدا سے چلی آرہی ہے ۳ ہجری میں پیغمبر خدا اور مشرکین کے درمیان اُحد کی مشہور جنگ ہوئی تھی اس جنگ میں جناب حمزہؑ پیغمبر خدا کے سپہ سالار لشکر درجۂ شہادت پر فائز ہوئے آپ پیغمبر خدا کے چچا آپکے رضاعی بھائی اور اسلام کے مشہور حامی و محافظ تھے آپ کی شہادت سے تمام مسلمانوں کو غیر معمولی صدمہ پہونچا پیغمبر خدا کے حزن و اندوہ کی تو انتہا ہی نہ رہی یہ سن کر اور بھی آپ کا کلیجہ خون ہو اکہ ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے جناب حمزہؑ کے اعضاء بدن ٹکڑے کیئے آپ کا شکم چاک کیا اور کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی آپ کے اعضائے بدن کا ہار بنا کر گلے میں پہنا کیونکہ جناب حمزہؑ نے جنگ بدر میں اُس کے باپ عتبہ کو موت کے گھاٹ اتار اتھا

اس عظیم ترین مصیبت پر اپنے انتہائی حزن واندوہ کے اظہار کے لئے پیغمبر خدا نے مسلمانوں کو حکم دیا حمزہؓ کی صفت عزا قائم اور ان پر نوحہ و ماتم کریں۔ پیغمبر خدا نے جناب حمزہؓ کو اتنی اہمیت دی اتنی عزت بڑھائی اور اتنا غیر معمولی طور پر ان کا غم منایا کہ اہل اسلام جناب حمزہؓ کی قبر کی خاک بطور تبرک پاس رکھنے لگے ان کی خاک قبر سجدہ گاہ بنائی گئی مسلمان نمازوں میں اس خاک پر سجدہ کرنے لگے اس خاک سے تسبیحیں بنائی گئیں بعض روایات سے توصراحت ہوتی ہے کہ حضرت معصومۂ عالم فاطمہؑ بنت محمدؐ اسی پر عمل پیرا تھیں بلکہ آپ ہی سے اس کا آغاز ہوا۔ اور مسلمانوں نے آپ کی پیروی کی جناب حمزہ جب شہید ہوئے تو انھیں سید الشہداءؑ کہا جانے لگا اسد اللہ اور اسد رسول اللہ کے نام سے بھی آپ یاد کئے جاتے تھے۔

علامہ مجلسی نے اپنی کتاب مزار البحار میں بسلسلہ اسناد ابراہیم بن محمد ثقفی کی روایت نقل کی ہے ابراہیم اپنے باپ سے ناقل ہے کہ حضرت صادق آلِ محمدؐ نے فرمایا:۔

> "حضرت فاطمہؑ کی تسبیح پہلے بٹے ہوئے دھاگے کی ہوا کرتی جس میں گرھیں پڑی ہوتیں معصومۂ عالم اسی تسبیح پر تکبیر و تسبیح پڑھا کرتیں جب جناب حمزہؓ شہید ہوئے تو آپ نے انکی خاک قبر سے تسبیح بنائی مسلمانوں نے بھی آپ کی پیروی کی اور ایک عرصہ تک جناب حمزہؓ کی خاک قبر سے تسبیح بنانے کا رواج رہا یہاں تک کہ امام مظلوم شہید ہوئے آپ کی

شہادت کے بعد اس کام کے لیئے آپ کی قبر مبارک کی خاک استعمال کی جانے لگی کیونکہ اس کو زیادہ فضل و شرف حاصل تھا۔

(مزار البحار، ص ۱۲۶)

علامہ کاشف الغطا اپنی کتاب الارض و التربۃ الحسینیہ ص ۲۹ پر لکھتے ہیں:

جناب حمزہ احد میں دفن ہوئے آپ سید الشہداء کے نام سے یاد کیئے جاتے ہیں مسلمان آپ کی خاک قبر پر سجدہ کرتے تھے جب امام حسین علیہ السلام شہید ہوئے تو آپ سید الشہداء ہوئے اور لوگ آپ کی خاک قبر پر سجدہ کرنے لگے۔

اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ اسلامی اقدار کی بقا اور انسانیت کی سربلندی کے لیئے جام شہادت نوش کرنا اپنا گھر بار قربان کر دینا بنی ہاشم کی اسی شاخ میں منحصر رہا دوسری شاخوں کو یہ شرف نصیب نہیں ہوا یعنی اولاد علیؑ و فاطمہؑ امام جعفر صادقؑ کے زمانہ تک شیعوں کا سجدہ کے بارے میں یہ طریقہ رہا جیسا کہ روایات بتاتی ہیں کہ وہ ایک ہتھیلی میں خاک کربلا رکھتے اور نماز پڑھتے وقت اسی خاک پر سجدہ کیا کرتے ایک عرصہ تک یہی عمل رہا پھر آگے چل کر مٹی گوندھ اور سکھا کر اس کی چھوٹی سی تختی بنالی گئی کہ اس طرح مٹی کے ضائع جانے کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔

چونکہ پیشانی کو خاک آلود کرنا اور زمین پر سجدہ کرنا واجبات سے ہے کہ اس طرح خلاق عالم کے حضور انتہائی خاکساری اور عاجزی کا اظہار ہوتا ہے اور زمین سے اُگی ہوئی چیزوں جیسے پتوں اور لکڑی پر سجدہ کرنا سنت ہے

اس بنا پر ایسی خاک پر سجدہ کرنا تو کہیں زیادہ بہتر و افضل ہوگا جو ہر خاک سے پاک و پاکیزہ سب سے زیادہ طیّب و طاہر ہو۔ یعنی خاک قبر امام حسین ؑ جس کے فضائل میں پیغمبر خدا کے بہت سے ارشادات بھی موجود ہیں۔ حائر حسینی کی خاک افضل ترین خاک ہے یہ خاک اُس پاک وصاف اور سُرخ رنگ کی مٹی سے حاصل کی جاتی ہے جو دریائے فرات پہاڑوں کی بلندی اور وادیوں کے دامن سے لا لا کر سرزمین کربلا کے دونوں طرف ڈھیر کرتا رہتا ہے یہ مٹی کربلا کی پاک و پاکیزہ مٹی سے ہم آغوش ہو جاتی ہے فرات سے ہو کر مٹی نہروں میں آکر بیٹھ جاتی ہے اور اسی خاک سے سجدہ گاہیں بنائی جاتی ہیں جنھیں شیعہ نماز میں استعمال کرتے ہیں۔ اس میں آخر کونسی قباحت ہے اور شیعوں کو کیوں نشانۂ ملامت بنایا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سجدہ گاہیں خاص قبر کی مٹی سے نہیں بنتیں اُس سے بننا ممکن بھی نہیں کیونکہ اس تک پہونچنا ناممکن ہے روضہ کی زمین زنگارنگ معدنی پتھروں سے ڈھکی ہوئی ہے یہ ہو سکتا ہے کہ شروع زمانہ میں جبکہ روضۂ مبارکہ اس شان کا نہیں تھا حائر کی مٹی یا قبر مبارک کے نزدیک کی کچھ مٹی لوگوں کے ہاتھ لگ جاتی ہو لیکن آج کل تو یہ بالکل ناممکن سی بات ہے اور جو شخص بھی اسکا دعوی کرے وہ جھوٹا اور افترا پرداز ہے۔

واقعہ کربلا کے بعد ائمہ طاہرین کا عمل در خاک قبر حسینی پر اُنکے سجدے

عصر اول میں یہ طریقہ رہا کہ لوگ قبر مبارک یا اُس کے آس پاس کی جگہ

خصوصیت کے ساتھ قبر مبارک کے سرھانے کی مٹی لے کر سجدہ کیا کرتے سب سے پہلے امام زین العابدینؑ نے اس خاک کو سجدہ کے لیے استعمال کیا (دیکھیے علامہ کاشف الغطا کی کتاب الارض والتربۃ الحسینیہ ص۵۱) کیونکہ آپ جب اپنے پدر بزرگوار اور دیگر شہدائے کربلا علیہم السلام کے دفن سے فارغ ہوئے تو جس جگہ آپ نے امام مظلوم کو دفن کیا تھا وہاں کی ایک مٹھی خاک لے کر ایک تھیلی میں محفوظ کر لیا اور اس سے آپ نے ایک سجدہ گاہ اور تسبیح تیار کی یہ وہی تسبیح تھی جسے حضرت سید سجادؑ اپنے ہاتھوں میں گردش دیا کرتے اور یزید کے پوچھنے پر آپ نے پیغمبر خدا کی ایک حدیث بیان کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص علی الصباح ہاتھوں میں تسبیح لیے رہے اور مخصوص دعا پڑھے ہمیشہ اس کے لئے تسبیح کا ثواب لکھا جاتا رہے گا چاہے وہ تسبیح نہ بھی پڑھے۔ جب آپ قید و بند سے رہائی پا کر اہل حرم کے ساتھ مدینہ پہونچے تو آپ اس خاک قبر حسینیؑ سے برکت حاصل کیا کرتے اور نماز پڑھتے وقت اسی پر سجدہ کیا کرتے گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو اس سے علاج کرتے آپ کا دیکھا دیکھی سادات علویین اور انکے پیروؤں میں بھی اس کا رواج ہو گیا۔

(الارض والتربۃ الحسینیہ ص۵۰-۵۱)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے خاک قبر حسینیؑ کو امام زین العابدینؑ نے سجدہ میں استعمال کیا آپ کے بعد ائمہ طاہرینؑ بھی اس طریقہ پر کاربند رہے آپ کے فرزند امام محمد باقرؑ اپنے اصحاب کو بڑی سرگرمی سے اسکی طرف متوجہ کیا کرتے اور اسکے فضائل و برکات کی نشر و اشاعت کرتے رہے (الارض والتربۃ الحسینیہ ص۵۱)

امام جعفر صادقؑ کے زمانہ میں اور ترقی ہوئی آپ خاص کربلا کے فضائل و مناقب اور اُسکی پاکیزگی کا شیعوں میں شد و مد سے تذکرہ کیا کرتے آپ کے زمانہ میں شیعوں کی تعداد بھی کافی بڑھ چکی تھی اور بلحاظ تہذیب و تمدن علوم و فنون اُن کا شمار اہم ترین اسلامی فرقوں میں ہوتا تھا آپ شیعوں کو برابر ترغیب دلایا کرتے کہ خاک قبر سے برکت حاصل کریں اور اُس پر سجدہ کیا کریں۔

شیخ موسیٰؒ اپنی کتاب مصباح میں معاویہ بن عمار سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتا ہے۔

"امام جعفر صادقؑ کے پاس زرد رنگ کے ریشمی کپڑے کی ایک تھیلی تھی جس میں امام مظلومؑ کی خاک قبر تھی جب نماز کا وقت ہوا تو آپ نے جائے نماز پر اُس خاک کو انڈیل دیا جب سجدہ میں گئے تو اُسی خاک پر سجدہ کیا پھر آپ نے فرمایا:۔

"خاک قبر حسینی پر سجدہ کرنا ساتوں پردوں کو چاک کر دیتا ہے"

(مصباح المتہجد صلاۃ مطبوعہ طہران ۱۳۳۸ھ المزار ص ۱۳۲)

آپ جب تک زندہ رہے آپ کا یہی طرز عمل رہا صاحب وسائل دیلمی سے نقل کرتے ہیں:۔

"امام جعفر صادقؑ صرف خاک قبر حسینی پر سجدہ کیا کرتے خداوند عالم کے حضور اپنی عاجزی و خاکساری کے اظہار کے لئے (الارض والتربۃ ص ۲۳)

بقیہ ائمہ طاہرینؑ بھی اپنے شیعوں اور پیروں کو اس کی ترغیب دلایا کرتے

جس کے نتیجہ میں ہر زمانہ اور ہر دور میں شیعہ اس کے پابند رہے اور آجتک پابند ہیں اور تھوڑے ہی دنوں کے بعد مٹی گوندھ اور سکھا کر سجدہ گاہ بنا لینے کا طریقہ رائج ہو گیا جیسا کہ آج کل سجدہ گاہیں پائی جاتی ہیں سرزمین حائر کی خاک سے بنی ہوئی سجدہ گاہ کی تاریخی سند بھی ملتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے وسط ہی سے اسکا سلسلہ جاری ہے یعنی حضرت حجت کے زمانہ سے۔

طبرسی رح نے محمد بن عبد اللہ بن جعفر حمیری سے روایت کی ہے کہ

> ابن حمیری نے حضرت ع کو خط لکھ کر دریافت کیا تھا کہ خاک قبر سے بنی ہوئی سجدہ گاہ پر سجدہ کرنے میں کوئی فضیلت ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں جائز ہے اور اس میں فضیلت بھی ہے۔

(الحدائق الناضرہ بحرانی جلد ۳ ص ۱۶۹)

ایسی ہی حدیث اس تسبیح کی فضیلت میں بھی حضرت سے منقول ہے دیکھئے الحدائق الناضرہ جلد ۳ ص ۳۴۲، المزار ص ۱۵۱)

تربتِ امامِ مظلوم کو سجدہ گاہ بنانیکی وجہ

نماز میں سجدہ کے لئے قبر مطہر یا حائر حسینی یا کربلائے معلّٰی کی خاک کو ترجیح دینے کی وجہ علاوہ ان احادیث کے جو اس خاک کے فضائل اور پاکیزگی کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور علاوہ اس سبب کے کہ یہ خاک دنیا بھر کی خاک سے افضل و بہتر ہے اور علاوہ اس کے کہ کوئی بھی خاک اس کے

مقابلے کی نہیں اور علاوہ اس کے کہ اس خاک پر اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرنے کی بڑی فضیلت ہے۔ سب سے بڑی وجہ غالباً یہ ہے کہ اس خاک پر سجدہ کرتے وقت نماز پڑھنے والے کو دین اسلام کی وہ عظیم ترین مصیبت اور تباہی یاد آجاتی ہے جو فرزند رسولؐ کی شہادت کے سبب اس پر نازل ہوئی اس باغی گروہ کے ہاتھوں جو اسلام اور مسلمانوں کا زمانۂ جاہلیت میں بھی دشمن رہا اور مسلمان ہونے کے بعد بھی۔

زمانۂ جاہلیت میں اس گروہ نے عم پیغمبرؐ جناب حمزہ کو شہید کر کے اُن کا بہت ہولناک طریقہ پر مثلہ کیا ان کی پوری کوشش یہی رہی کہ اسلام کو جڑ بنیاد ہی سے اکھاڑ پھینکیں جناب حمزہ کی شہادت کو تمام مسلمانوں نے اپنے لیے عظیم ترین مصیبت قرار دیا آپ کی یاد برابر تازہ رکھنے کے لیے آپ کی خاک قبر کو تبرک سمجھا اس سے شفا چاہی اسے سجدہ گاہ بنایا۔ زمانۂ اسلام میں اس گروہ نے پیغمبرؐ کے جگر گوشہ امام مظلوم کو شہید کر کے پھر ایک مرتبہ کوشش کی کہ پیغمبرؐ کا نام و نشان مٹ جائے کیونکہ اُس وقت روئے زمین پر سوا آپ کے کوئی بھی فرزند رسولؐ نہیں تھا دشمنوں نے آپ کو قتل کر کے دعوت اسلامیہ اور نبوت کا نام و نشان دونوں ہی کو خاک میں ملانے کی کوشش کی امام حسینؑ کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے آپ کی خاک قبر کو اپنا شعار بنا لیا۔ اس خاک پر وہ اللہ تعالیٰ کا سجدہ بجا لا کے اور یاد کرتے کہ یہ نماز حسینؑ اور اُن کے رفقا و اصحاب کی شہادت ہی پر قائم ہوئی۔ اگر حسینؑ اپنی اور اپنے اعزہ و اصحاب کی قربانی کربلا میں نہ پیش کیے ہوتے تو اس

نماز کا نام و نشان بھی مٹ گیا ہوتا۔

علامہ کاشف الغطاء تحریر فرماتے ہیں:۔

"خاک کربلا پر سجدہ کرنے کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ نماز گذار سجدہ میں پیشانی رکھتے وقت امام مظلوم اور آپ کے اعزہ و اصحاب کی وہ عظیم ترین قربانی یاد کرے جو انھوں نے دین اسلام کے اصول و عقائد کی بقا و حفاظت اور ظلم و استبداد، فتنہ و فساد کو نیست و نابود کرنے کی خاطر پیش کیں چونکہ سجدہ ارکان نماز میں سے سب سے اہم رکن ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے پروردگار سے زیادہ قریب ہوتا ہے لہذا مناسب ہوا کہ نماز گذار اس خاک پر پیشانی رکھتے وقت ان شہدائے راہ خدا کو یاد کرے جنھوں نے حق راہ میں اپنا جسم و جان قربان کر دیا اس طرح اس میں خاکساری و فروتنی کے جذبات پیدا ہوں گے اس دنیا اور اس کے نعمات و لذائذ کو ذلیل و خوار سمجھے گا۔ حضرت صادق آل محمدؑ نے جو فرمایا ہے کہ خاک قبر حسینی ع پر سجدہ کرنے سے سات پردے اٹھ جاتے ہیں غالباً اس سے یہی مقصود ہے۔" (الارض والتربۃ الحسینیہ ص۲۳ و ۲۴)

اسی سلسلہ میں علامہ ممدوح لکھتے ہیں:۔

"کیا یہ حق بات نہیں کہ زمین کا سب سے پاک و پاکیزہ حصہ زمانہ کی سب سے معزز شخصیت کی آرامگاہ بنے۔ بیشک یہ دنیا برابر کھنگالی جاتی رہی کہ وہ انسانیت کی مکمل ترین فرد، انسانی کمالات و

محاسن کی جامع ترین ہستی اور بلند ترین ملکوتی روح کی حامل شخصیت کو عالم وجود میں لائے چنانچہ یہ دنیا ایک نور واحد کو منظر عام پر لائی جس کے دو حصے کیے گئے ایک تمام نبیوں کے سید و سردار حضرت محمد مصطفیٰؐ اور دوسرے تمام اوصیاء کے سید و سردار علیؑ مرتضیٰ۔ پھر خداوند عالم نے دونوں حصوں کو ایک مرتبہ پھر ایک جگہ جمع کر دیا اور وہ حسینؑ کی ذات تھی جس میں دونوں نور اکٹھا ہو گئے اور جو دونوں جوہروں کا خلاصہ تھے جیسا کہ پیغمبر خدا کا ارشاد ہے حسینؑ مجھ سے ہیں اور میں حسینؑ سے ہوں۔ پھر یہ دنیا قیامت تک کے لیے اُن کی نظیر لانے سے قاصر ہو گئی اور جب زمین کا یہ حق ہے کہ اُس پر اللہ تعالیٰ کا سجدہ بجا لایا جائے اور سوا زمین کے اور کسی چیز پر سجدہ نہ کیا جائے۔ لہٰذا مناسب ترین بات یہ ہے کہ ایسی خاک پر سجدہ ہو جو روئے زمین کی ہر خاک سے پاک و پاکیزہ تر ہو اور وہ خاک قبر حسینی ہے اور اس کی وجہ محض یہ ہے کہ خاک کربلا بلحاظ مادہ و عنصر کے تمام خطہ ہائے زمین سے معزز تر اور پاکیزہ تر ہے جیسا کہ علامہ حلا کلی نے اپنی کتاب سمو المعنی میں اور علامہ عباس محمود العقاد نے اپنی ابو الشہداء الحسینؑ ص ۱۵ پر صراحت کی ہے۔ (کتاب الارض والتربۃ مترجم ص ۳۹)

کسی چیز کو سجدہ کرنے اور کسی چیز پر سجدہ کرنے میں فرق

دشمنانِ تشیع جو خاکِ حسینی پر سجدہ کرنے کے بارے میں شیعوں پر

طرح طرح کی تہمتیں دھرتے ہیں یا تو اس بات کو نہیں سمجھ سکے کہ کسی چیز پر سجدہ کرنے اور کسی چیز کو سجدہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے یا اُنھوں نے جان بوجھ کر دونوں چیزوں کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ سادہ لوح عوام اور جاہل لوگوں کو شیعوں کے خلاف برانگیختہ کرنا اور انھیں شیعہ دشمنی پر آمادہ کرنا اسی صورت سے ممکن تھا اور اسی طرح مسلمانوں میں پھوٹ پڑ سکتی تھی حالانکہ معمولی عقل والا بھی یہ بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ سجدہ خواہ خاک پر کیا جائے یا دری قالین فرش فروش پر بہر حال اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے خاک پر سجدہ کرنا واجب بھی ہے اور اسمیں عاجزی و خاکساری کا زیادہ اظہار ہوتا ہے اور خاک کے علاوہ دوسری چیزوں پر سجدہ کرنا زیادہ سے زیادہ جائز کہا جا سکتا ہے اور دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ امام جعفر صادقؑ جب سجدہ کرتے خاک قبر حسینی پر کرتے کہ اس طرح خاکساری و عاجزی کا زیادہ اظہار ہوتا ہے۔ (الارض والتربۃ ص۔ بحوالہ وسائل)

کون اندازہ کر سکتا ہے ان سجدوں کے فضل و شرف کا جو صادق آل محمدؑ اپنے جد مظلوم کی خاک پر کیا کرتے خاک پر سجدہ کرنے میں انتہائی خاکساری و عاجزی کا اظہار بھی تھا اور جد مظلوم کی شہادت پر صبر و شکر اور تسلیم و رضا بھی اور اسی پر شیعوں کا عمل بھی ہے۔

غرض کہ سجدہ صرف اللہ کے لیے ہوتا جس طرح دری قالین پر سجدہ کرنے والے کے متعلق یہ سمجھنا غلط ہے کہ دری قالین کو سجدہ کر رہا ہے اسی طرح خاک قبر حسینی پر سجدہ کرنے والے کے متعلق بھی یہ سمجھنا کہ وہ حسینؑ کو سجدہ کر رہا ہے

انتہائی غلط ہے حسینؑ معبود نہیں تھے بلکہ وہ خدا کے نیکوکار بندوں میں سے تھے اُن کی خاک پر سجدہ کرنا خدائے واحد و قہار کا سجدہ کرنا ہے نہ کہ کسی اور چیز کا جیسا کہ دشمنانِ تشیع شیعوں پر الزام دھرتے ہیں۔

علامہ محمد حسین آل کاشف الغطاء تحریر فرماتے ہیں:۔

دشمنانِ تشیع کا یہ کہنا انتہائی حماقت یا اُن کی احمقانہ خصبیت ہے کہ یہ خاکِ کربلا جس پر شیعہ سجدہ کرتے ہیں یہ شیعوں کا بت ہے جسے وہ سجدہ کیا کرتے ہیں حالانکہ شیعہ اُٹھتے بیٹھتے اعلان کرتے ہے اور اپنی کتابوں میں بھی صراحت کیا گیا ہے کہ سجدہ صرف اللہ کا کیا جاتا ہے خاک پر سجدہ کرنا بھی اللہ ہی کو سجدہ کرنا ہے لیکن دشمنانِ تشیع کو یہ فرق نہ معلوم ہو سکا کہ کسی چیز پر سجدہ کرنا اور بات ہے اور کسی چیز کو سجدہ کرنا اور بات ہے سجدہ اللہ ہی کو کیا جاتا ہے لیکن مقدس زمین اور پاک و پاکیزہ خاک پر ملائکہ نے جو آدمؑ کو سجدہ کیا تھا وہ بھی اللہ ہی کے لیے اور اللہ ہی کے حکم سے تھا جناب آدمؑ کی عزت افزائی کے لیے۔

(الارض والتربۃ ص ۲۸ – ۲۹)

پھر یہ خیال بھی انتہائی حماقت ہے کہ شیعہ خاکِ کربلا پر سجدہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اُن کے نزدیک بغیر اس کے نماز نہیں ہو سکتی۔

کسی عالم اہلِ سنت کا واقعہ ہے کہ وہ نجف اشرف گئے اور وہاں کے کسی مشہور شیعہ عالم سے ملاقات کی اثنائے گفتگو میں انھوں نے سجدہ گاہ کے متعلق سوال کیا، غرض شیعوں کے خلاف مواد فراہم کرنا تھا اور ایسا شوشہ

جس سے ان الزامات کی تصدیق و تائید ہوسکے جو اہل سنت کی طرف سے اس سجدہ گاہ کے سلسلہ میں شیعوں پر لگائے جاتے ہیں وہ شیعہ عالم انکا مطلب سمجھ گئے اُنھوں نے تشفی بخش جواب دیا پھر ایک سجدہ گاہ کو لے کر پہلے اُسے چوما پیشانی اور سر پر رکھا اور کہا میں اسکا احترام کر رہا ہوں اس لیے کہ خدا کا سجدہ کرنے میں اس پر پیشانی ٹکتی ہے پھر اُس سجدہ گاہ کو پھینک دیا اور کہا میں ایسا اس لیے کر رہا ہوں کہ یہ صرف مٹی کا ایک ٹکڑا ہے اور کچھ نہیں۔ وہ سُنی عالم اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ اُن سے کوئی جواب بن نہیں پڑا۔

۲۲ سنہ ۱۹۲۳ء کا واقعہ ہے کہ مسٹر رابلی جو حکومت عراق کے قانونی مشیر تھے کربلا کی سیاحت کو پہونچے اُن کے ساتھ وزارت کے ایک سکریٹری بھی تھے یہ مسٹر رابلی اصل میں پادری تھے اور اندر ہی اندر ایسی باتوں کی کھوج میں رہا کرتے جن سے مسلمانوں کو مطعون کیا جا سکے بغداد میں شیعوں کے خلاف اُن کے کان بھی کافی بھرے گئے تھے۔ وہ کربلا کے بازاروں میں گھوم رہے تھے کہ ایک دوکان کی طرف سے گذرے جہاں تسبیح اور سجدہ گاہیں فروخت ہو رہی تھیں اُنھوں نے حیرت بھرے لہجہ میں سکریٹری سے پوچھا یہ کیا ہے سکریٹری نے برجستہ کہا یہ کربلا کی مٹی ہے اس کی مثال ویسی ہی ہے جیسے کلیسائے پطرس کی کنکریاں جو آپ لوگوں کے یہاں تاجرین کے ہاتھوں ایک ایک فرانک میں فروخت ہوا کرتی ہیں۔ مسٹر رابلی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ سکریٹری کی طرف سے ایسا برجستہ جواب ملے گا۔ اُنھوں نے

قہقہہ لگایا اور بولے سچ کہتے ہو ہم لوگ بھی یورپ میں ان باتوں کے عادی ہیں اور اس میں تعجب کی بات نہیں۔ روم کے اس مشہور گرجا کی زیارت کو جو بھی جاتا ہے وہ وہاں کی کنکریاں بطور تبرک اور بغرض شفا ضرور خریدتا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذہبی چیزوں کی عزت و احترام کا دستور۔ سب ہی ملکوں میں ہے کوئی بھی قوم یا ملک اس سے خالی نہیں۔

یہ سمجھنا انتہائی غلط ہوگا کہ علماء اہلسنت اس قسم کے علمی حقائق سے ناواقف ہیں اُنھیں جیسے معلوم ہی نہیں کہ کسی چیز پر سجدہ کرنا اور بات ہے اور کسی چیز کے لیئے سجدہ کرنا اور بات ہے، لیکن اس احمقانہ تعصب کا ناس ہو جو اُن کے اور حقیقت کے درمیان دیوار بن چکا ہے۔

شیعہ جو پیغمبر خدا اور آپ کے اہلبیت کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں خصوصاً امام حسینؑ کی تعظیم اور آپ کی خاک قبر پر اللہ تعالیٰ کا سجدہ یہ اصل میں امویہ اور بنی امیہ کی سرکوبی اور شکست و ریخت ہے یہی بات بعض لوگوں کو کھل جاتی ہے اُن کے دل کو گوارا نہیں کہ بنی امیہ پر کوئی آنچ آئے اسی لیے شیعوں کو نشانۂ اعتراض بنایا جاتا ہے کہ وہ کیوں ایسے شخص کی خاک قبر پر اللہ تعالیٰ کا سجدہ کرتے ہیں جنھیں امویوں نے قتل کیا تھا۔ بنی امیہ ہی ان لوگوں کی نظر میں اصل عرب ایمان کا جوہر، اسلام کا معدن اور حقیقت دین ہیں۔

اس بات سے کوئی جاہل و بے بہرہ انسان ہی انکار کر سکتا ہے کہ بنی ہاشم کے خلاف بنی امیہ کی ساری تحریکات زمانۂ جاہلیت میں بھی اور اسلام آنے کے بعد بھی سراسر مادہ پرستی اور نفع اندوزی پر مبنی رہا کیں اور دونوں ہی زمانوں

میں اُنھیں بہت سے ہوا و ہوس کے بندے ناصر و مددگار بھی ملتے رہے ہیں
جو کچھ بھی دیکھنے سننے کو ملے اُس پر حیرت نہ ہونی چاہیئے۔

چھٹی فصل

حائرِ حسینی پر حاضری اور اُس کی زیارت کے آداب

تاریخ و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حائرِ حسینی کی حیثیت صرف ایک مذہبی و دینی عبادت گاہ کی نہ رہی کہ زائرین جب چاہیں اور جس طرح چاہیں جاکر زیارت کر آئیں زیارت کے نہ کوئی خاص مراسم ہوں نہ کوئی معین آداب ہوں یہ سرزمین اپنے ابتدائی زمانہ ہی سے انتہائی معزز و محترم رہی اسلام میں بھی اس کی بلندی منزلت کا پوری طرح لحاظ رکھا گیا۔ بایں معنی کہ اس سرزمین پر حاضری کے کچھ مخصوص آداب اور معین مراسم ہیں جو زیارت کی بنیادی شرطیں ہیں اور جن کی پابندی زائر کے لیئے ضروری ہے اس لیئے کہ حائرِ حسینی اور حرمِ مقدس ایک حرم ہے حرم ہائے خدا و رسُول سے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

(کامل الزیارت ص۱۹۸)

ائمہ طاہرین نے امام مظلوم کی زیارت کے بہت سے اعمال و عبادات معین فرمائے ہیں اس لیئے کہ زائر حائرِ حسینی میں پہونچ کر اسلام کی عظیم ترین شخصیت کے حضور میں ہوتا ہے جو حسب ارشادِ الٰہی زندہ ہے مُردہ نہیں:-

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتاً بل

احیاء عند ربھم یرزقون (۱)۔

جو لوگ راہ خدا میں قتل ہوئے انھیں مردہ نہ خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس رزق پاتے ہیں۔

امام مظلوم اور آپ کے اصحاب سے بڑھ کر خداوند عالم کے نزدیک اور کون شہید عظیم المرتبت ہو سکتا ہے جنکی نظیر پیش کرنے سے دنیا قاصر رہی اسلام میں بس شہدائے بدر تو ان کے برابر قرار دیے جا سکتے ہیں جنھوں نے بغیر کسی دنیاوی طمع و حرص کے محض اسلام کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لیے اپنے کو راہ خدا میں قربان کر دیا تھا ان کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

وہ اعمال و عبادات دو قسم کے ہیں کچھ تو تزکیہ نفس اور اسلامی اخلاق و کردار سے متصف ہونے کے متعلق کچھ کیفیت زیارت کے متعلق کہ زائر جب امام مظلوم کی زیارت کو گھر سے نکلے تو کس طرح نکلے اور حائر مقدس میں کس شان سے داخل ہو چنانچہ فرات عبور کر کے نینوی یا غاضریہ پہونچنے تک پھر غاضریہ و نینوی سے چل کر حائر حسینی داخل ہونے تک پھر حائر حسینی سے قبر حسینی پر پہونچنے تک سب ہی کے آداب و قواعد ہیں۔

وہ اعمال و عبادات جو تزکیہ نفس اور اسلامی اخلاق و کردار سے متصف ہونے کے متعلق ہیں اس سلسلہ میں محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا۔

"زیارت امام مظلوم کو ہمارا سفر کیا ویسا ہی سفر نہیں ہے جس طرح

ہم حج کے لیے سفر کیا کرتے ہیں؟ امام نے فرمایا ہاں! میں نے عرض کیا تو جس طرح حاجیوں کو زادِ راہ اور سامانِ سفر ضروری ہوا کرتا ہے زائرین کیلئے بھی اسی طرح ضروری ہے۔ اس موقع پر حضرت صادقِ آلِ محمدؑ نے صراحت فرمائی کہ زائرین کے لیے کیا کیا روحانی سامان ہونا چاہیئے۔ آپ نے فرمایا: تمھیں لازم ہے کہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اچھی طرح پیش آؤ، کم بولو اور جب بولو تو اچھی بات زبان سے نکلے۔ زیادہ سے زیادہ اللہ کا ذکر زبان پر رہے، کپڑے صاف و پاک ہوں، حائر پر پہنچنے سے پہلے غسل کرو، خاکساری و عاجزی، بکثرت نمازیں پڑھنا، آلِ محمدؐ کے لیے دعائے رحمت کرنا تمھارے لیے ضروری ہے نگاہیں جھکی ہوئی رہیں۔ اپنے محتاج بھائیوں کے دکھ درد میں شریک ہو، اگر وہ تم سے الگ تھلگ رہیں تو تم خود اُن کے پاس جاؤ۔ تمھارے لیے تقیہ بھی ضروری ہے جس سے تمھارا دین قائم ہے۔ جن چیزوں سے روکا گیا ہے اُن سے باز رہو، جب یہ سب کام تم کروگے تو تمھارا حج بھی ادا ہوگا اور عمرہ بھی اور ان مرادوں کے پانے کے حقدار ہوگے جن کا تم اللہ سے سوال کرتے ہو۔ (کامل الزیارہ صفحہ ۱۱۳-۱۳۱)

اس حدیث سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ائمہ طاہرینؑ حائرِ مقدس اور اس کی زیارت کو کتنی اہمیت دیا کرتے اور زیارتِ امام مظلومؑ کو نفس کی تہذیب، روح کی جلا، اسلام کی بنیادی باتوں کی ترویج اور اسلامی خوبیاں پھیلانے میں کس قدر دخل حاصل ہے۔ اسی طرح حائرِ مقدس میں جانے اور زیارتِ امام مظلوم بجا لانے کے بھی معین آداب و اعمال ہیں جو زیارت کی کتابوں میں

تفصیل سے مرقوم ہیں ہم طوالت کے خوف سے اُن کو حذف کرتے ہیں۔

ساتویں فصل

حائر حسینیؑ کی زیارت کے مخصوص دن

چونکہ حائر حسینی بہت ہی مقدس و محترم مذہبی مقامات سے ہے بیشمار حدیثیں اس کی فضیلت و جلالت قدر کے متعلق وارد ہوئی ہیں مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے بعد اُسے تیسرا حرم سمجھا جاتا ہے اسی لیئے حائر بھی مسلمانوں کی اسی طرح زیارت گاہ قرار پایا جس طرح خانہ کعبہ زیارت گاہ مسلمین ہے بس فرق ہے تو یہ کہ خانہ کعبہ کی زیارت سال میں ایک مرتبہ ہوتی ہے اللہ تعالیٰ جسے استطاعت دیتا ہے وہ حج کی عبادت بجا لاتا ہے اور حائر حسینی کی سال میں کئی مرتبہ زیارت بجا لائی جاتی ہے حدیثوں میں بھی زیادہ سے زیادہ مرتبہ زیارت بجا لانے کی تاکید وارد ہوئی ہے کیونکہ زائر حسینی کو ایک مرتبہ زیارت بجا لانے کا اتنا ہی ثواب ملتا ہے جتنا ایک مرتبہ حج بجا لانے کا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔

حائر کی زیارت دو طرح کی ہوتی ہے ایک روزمرہ کی زیارت دوسری مخصوص زیارت۔ روزمرہ والی زیارت تو ہر وقت بجا لائی جاسکتی ہے رات دن صبح شام غرضکہ وقت کی کوئی قید نہیں حائر حسینی طلوع آفتاب سے رات کے بارہ بجے تک کھلا رہتا ہے اور ہر ہی وقت زائرین آتے جاتے اور زیارت

بجالاتے رہتے ہیں اور مخصوص زیارت سال میں آٹھ مرتبہ بجالائی جاتی ہے انھیں زیارتوں کو زیارت مخصوصہ کہا جاتا ہے اور قریب و دور ہر مقام سے زائرین ان زیارتوں کے لئے جوق در جوق آتے ہیں ان مخصوص زیارتوں میں سے اکثر کے متعلق ائمہ طاہرین ع سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں (۱) ۱۰ محرم کی زیارت جو زیارت عاشور کے نام سے مشہور ہے۔ (۲) زیارت اربعین (۳) زیارت یکم رجب (۴) زیارت ۱۵ رجب (۵) زیارت ۱۵ شعبان (۶) زیارت شبہائے قدر ماہ رمضان المبارک (۷) زیارت عیدالفطر (۸) زیارت عرفہ اور عیدالاضحی۔ یہ آٹھوں زیارتیں اہمیت کے لحاظ سے ایک ہی درجہ کی نہیں نہ ہر ایک میں ایک جیسا اجتماع ہوتا ہے بعض تاریخیں بہت اہم ہیں اسی لحاظ سے ان تاریخوں میں زائرین کا اتنا ہجوم اکٹھا ہوجاتا ہے جتنا حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں حاجیوں کا ہجوم نہ ہوتا ہوگا۔ کربلا ایسے بڑے شہر میں سر چھپانے کی جگہ باقی نہیں بچتی کسی سال تو بعض مخصوصیوں میں اتنا غیر معمولی اور بے پناہ ہجوم زائرین کا ہوا کہ حکومت عراق سڑکیں چوڑی کرنے پر مجبور ہوئی اور اسی بہانے بہت سے لوگوں کے گھر منہدم کردیے گئے بہت سے مدرسے مسجدیں اور حائر مقدس سے ملحق تاریخی عمارتیں زمین کے برابر کردی گئیں۔ ان تاریخی عمارتوں کے منہدم کردیے جانے کی وجہ سے اصل روضہ کی عمارت کی وہ شان و شوکت اور علمی وجاہت و منزلت بہت کچھ متاثر ہوئی جو گذشتہ صدیوں میں سلاطین و امراء کے ہاتھوں رفتہ رفتہ کرکے حاصل ہوئی تھی۔ عباسیوں کے زمانہ میں پھر سلاطین بویہیین کے عہد میں پھر جلائری بادشاہوں کے زمانہ میں اور

آخری صفوی و قاجاری بادشاہوں کے ہاتھوں بڑی نادر رنگدار عمارتیں حائر مقدس کے چاروں طرف تیار ہو گئی تھیں ۱۳۵۲ھ ہجری میں حکومت عراق کے حکم سے کربلا کے کلکٹر عبد الرسول خالصی نے ان تمام عمارتوں کو منہدم کر دیا بغیر اس کا خیال کیے کہ یہ فن تعمیر کی شاہکار تاریخی عمارتیں ہیں انھوں نے ان عمارتوں کو یوں منہدم کرایا جیسے یہ قومی سرمایہ نہیں بلکہ مٹی کا ڈھیر ہیں حالانکہ سڑکیں چوڑی کرنے کی ایسی بھی بہت سی صورتیں تھیں کہ ان عمارتوں پر آنچ نہیں آنے پاتی۔

بہرحال ہم یہ عرض کر رہے تھے کہ سال میں مخصوص دن ہیں حائر مقدس کی زیارت کے۔

(۱) زیارت عاشورا اس مخصوص دن زائرین پہلی محرم سے ۱۰ محرم تک آتے رہتے ہیں کیونکہ اس دن کی زیارت کے فضائل میں بہت سی حدیثیں ائمہ طاہرین سے مروی ہیں۔ حضرت صادق آل محمد فرماتے ہیں:

جس شخص نے روز عاشورا قبر امام مظلوم کی زیارت کی اور رات قبر کے پاس بسر کی وہ مثل اس شخص کے ہے جو امام مظلوم کے ساتھ شہید ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ اس دن بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔

(۲) زیارت اربعین یہ کربلا کی بزرگ ترین زیارتوں میں سے ہے مختلف اسلامی ممالک سے لاکھوں لاکھ زائرین اس زیارت کے لیے کربلا میں جمع ہوتے ہیں اس دن بڑے بڑے ماتمی جلوس نکلتے ہیں ہر جلوس میں پانچ سو سے لے کر ہزار افراد کا مجمع ہوتا ہے۔ ہر شخص ننگے پیر ننگے سر سیاہ لباس

بہنے آنسو بہاتا اور سینہ کوبی کرتا ہوتا ہے ہر جلوس کے آگے سیاہ علم ہوتے ہیں جس پر اس دستہ کا نام اور اس مقام کا نام درج ہوتا ہے جہاں کا یہ دستہ ہوتا ہے شیعہ اس تاریخ کو دو وجہوں سے بڑی اہمیت دیتے ہیں ایک تو یہ کہ اسی تاریخ اہل بیت اطہار قید خانۂ شام سے چھوٹ کر کربلا ہو پہنچے تھے۔ جہاں جابر بن عبد اللہ انصاری اور بنی ہاشم کی ایک جماعت زیارت قبر امام مظلوم کے لیئے پہلے سے آئی ہوئی تھی دوسرے اس وجہ سے کہ اسی دن امام مظلوم کا سر واپس ہوا اسی لیئے آج کے دن کی زیارت کو مرد راس (واپسی سر) کی زیارت بھی کہتے ہیں اکثر سال اس دن نصف ملین (۵ لاکھ) اور کبھی کبھی پون ملین (۷½ لاکھ) تک زائرین کی تعداد جا پہونچی جیسا کہ بغداد کے اخبارات نے جلی قلم سے خبریں شائع کی تھیں۔

(۳) زیارت یکم رجب یہ بھی مخصوص زیارتوں میں سے ہے مگر اس زیارت میں زیادہ تر کربلا اور مضافات کربلا ہی کے زائرین کا مجمع ہوتا ہے اسی دن کی زیارت کے متعلق بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص یکم رجب کو امام مظلوم کی زیارت کرے اللہ تعالیٰ اُسے ضرور بخش دے گا۔ (کامل الزیارت صہ ۱۸۲)

(۴) زیارت ۱۵ رجب یہ بھی مخصوص زیارتوں میں سے ہے اور نزدیک و دور تمام مقامات سے بے حساب زائرین پہونچتے ہیں کیونکہ ائمہ طاہرین کی بہت سی حدیثوں میں ۱۵ رجب و ۱۵ شعبان کو زیارت بجا لانے کی بڑی تاکیدیں وارد ہوئی ہیں۔ محمد بن

ابی نصر بزنطی نے امام رضاؑ سے سوال کیا کس مہینہ میں ہم امام مظلومؑ کی زیارت کریں۔ امامؑ نے فرمایا ۱۵ر رجب اور ۱۵ر شعبان۔

(کامل الزیارت صفحہ ۱۸۲)

(۵) زیارت ۱۵ر شعبان بلا شبہ یہ کربلا کی سب سے بڑی اور مخصوص اور عظیم ترین تاریخوں میں سے ہے تاریخ کی کتابوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری ہی سے اس دن زائرین کا ازدحام ہوا کرتا ہے اور آج بھی یہ کیفیت ہے کہ اس تاریخ میں زائرین کی اتنی تعداد اکٹھا ہو جاتی ہے جتنی دوسری تاریخوں میں بمشکل اکٹھا ہوتی ہوگی دور و نزدیک کے تمام اسلامی ممالک سے زائرین اس تاریخ کو کربلا آ جاتے ہیں اس دن کی زیارت کی فضیلت بھی بہت ہے امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ جو شخص مسلسل ۳ سال ۱۵ر شعبان کو امام مظلومؑ کی زیارت بجا لائے اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو بخش دے گا۔ (کامل الزیارت صفحہ ۱۹۱)

(۶) زیارت شبہائے قدر ۱۹-۲۱- اور ۲۳ ماہ صیام کی شبوں میں بھی کربلا اور عراق کے دوسرے شہروں سے بہت بڑی تعداد اکٹھا ہوتی ہے یہاں کی زیارت بجالا کر زائرین نجف اشرف جاتے ہیں۔

(۶) زیارت عید الفطر اس دن بھی زائرین کی بہت بڑی تعداد زیارت بجالاتی ہے۔

(۸) **زیارت عرفہ و عید الاضحیٰ** یہ زیارت مقدمہ ہے محرم و صفر کی زیارتوں کا یہی وجہ ہے کہ بے شمار زائرین بروز عرفہ کربلا آجاتے ہیں خصوصیت کے ساتھ ایران کے مومنین تاکہ اس زیارت کے بعد عاشورا اور اربعین کی مخصوص زیارتیں بھی نصیب ہو جائیں یہ مہینے ذی الحجہ محرم اور صفر زیارت امام مظلوم ؑ کے بہت ہی اہم مواقع ہیں۔ عرفہ کے دن کی زیارت کے متعلق بھی ائمۂ طاہرین علیہم السلام کی بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں۔

بابِ چہارم

پہلی فصل

روضۂ حسینی اور اُس کی موجودہ بلند و بالا عمارت

یہ حسین و جمیل عظیم الشان عمارت جو آج قبر امام مظلوم ؑ پر موجود ہے اس کی ابتدا اس عمارت سے ہوئی جو امام حسین ؑ کی

شہادت کے کچھ ہی دن کے بعد قبر مطہر پر بنائی گئی۔ شہدائے کربلا علیہم السلام کے جسد ہائے پاکیزہ کو سپرد خاک کرنے کے بعد لوگوں نے اتنی جگہ پر ایک سائبان بنا دیا وہی سائبان جوں جوں زمانہ گذرتا گیا مختلف رنگ و روپ اختیار کر کے خوب سے خوب تر ہوتا گیا اور آج موجودہ عظمت و جلال رفعت و سربلندی کی منزل پر ہے۔ کئی مرتبہ یہ روضۂ حسینی دشمنان اہل بیتؑ کی چیرہ دستیوں کا شکار ہوا۔ بنی امیہؓ اور بنی عباس کے ظالم و جابر حکام و سلاطین نے کئی کئی مرتبہ اسے تباہ و برباد کر کے زمین کے برابر کیا اور جو کچھ ساز و سامان اس عمارت میں ملا اُن کے کارپرداز لوٹ کر اپنے گھر لے گئے۔

کربلا کی تاریخ پر شروع زمانہ سے آج تک سرسری نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت کم و بیش آٹھ مرتبہ منہدم ہوئی اور اتنی ہی مرتبہ پھر سے تعمیر ہوئی۔ ایک عمارت جب منہدم ہوئی دوبارہ اُس سے بہتر اور خوبصورت عمارت بنی۔ پھر منہدم کر دی گئی اور تیسری مرتبہ زیادہ شان و شوکت سے بنی پھر دشمنوں کے ہاتھوں ملیامیٹ ہوئی اور جلد ہی پہلے سے زیادہ حسین و جمیل عمارت تعمیر ہو گئی۔ اسی طرح بار بار یہ روضۂ حسینی منہدم ہوتا رہا اور پہلے سے زیادہ شان و شوکت

اور حسن و جمال کے ساتھ تعمیر ہوتا رہا جیسا کہ ہم آگے
چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔

دوسری فصل

واقعۂ کربلا کے بعد پہلی عمارت

پہلی صدی ہجری میں

امام مظلومؑ کی شہادت کے بعد قبر مطہر پر پہلی عمارت بنی اُمیہ کے زمانۂ حکومت میں تعمیر ہوئی اس وقت صرف ایک سائبان اور ایک مسجد بنائی گئی پورب طرف ایک دروازہ رکھا گیا اور دوسرا دروازہ کسی اور طرف تھا۔ ٹھیک سے پتہ نہیں کہ سب سے پہلی عمارت کس نے بنائی اس بارے میں جو کچھ کہا جا سکتا ہے ظن و تخمین کی بنا پر کہا جا سکتا ہے۔ بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ قبیلہ بنی اسد والوں نے امام حسین علیہ السلام کو دفن کیا تھا انھیں لوگوں نے قبر مطہر پر مسجد تعمیر کی۔

(نزہتہ اہل الحرمین صلا)

صاحب کنز المصائب کا بیان یہ ہے کہ:-

مختار بن ابی عبیدہ ثقفی نے قبرِ مطہر پر عمارت تعمیر کی اور قبر کے قریب ایک گاؤں آباد کیا۔

(کنز المصائب۔ تاریخ کربلائے معلّےٰ ص۱۰۱ مطبوعہ نجف، مجالس اللطف ص۳۳)

یہ عمارت بنی اُمیّہ کی حکومت کے آخر تک قائم رہی۔ ساتھ ہی عمارت کے چاروں طرف پولیس چوکیاں بھی قائم تھیں جو زائرین کو قبرِ مطہر کے پاس آنے سے روکا کرتیں۔ یہ عمارت اور مسجد بنی عباس کی حکومت قائم ہونے تک باقی رہی۔ تباہی و بربادی سے محفوظ ایک تو اس وجہ سے کہ بنی عباس و ثمت اپنی حکومت کی بنیادیں مضبوط کرنے میں مصروف تھے دوسرے اس وجہ سے کہ عباسیوں کے داعی اور نقیب عام مسلمانوں میں یہی پروپاگنڈہ کر رہے تھے کہ ہم بنی امیہ کو ہٹا کر جائز اور شرعی حقدار یعنی اہل بیتِ پیغمبرؐ کے حوالے یہ حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ سب ہی جانتے ہیں کہ بنی عباس کے داعی و نقیب زیادہ تر خراسان کے باشندے تھے اور وہ سب کے سب نہیں تو اُن کی اکثریت علویین کی طرفدار تھی۔ جب بنی عباس کا اقتدار قائم اور اُن کی حکومت مضبوط ہو گئی داخلی شورشوں پر اُنھوں نے قابو پالیا اور بنی اُمیّہ کو چن چن کر ختم کر دیا تو اب رفتہ رفتہ اُنھوں نے اولادِ ابی طالبؑ

اور شیعیان امیر المومنین سے عداوت کے مظاہرے شروع کئے سفاح
کے زمانہ تک یہ عداوت و دشمنی ڈھکی چھپی رہی۔ منصور کے زمانہ میں کھل
ہولناک طریقہ سے ظاہر ہوئی اس نے اولاد امام حسنؑ کے اکثر و بیشتر معززین
اور سربرآوردہ شخصیتوں کو نیست و نابود کرنے پر کمر باندھ لی اور جس پر
اس کا بس چلا اُسے تباہ و برباد اور ہلاک کر کے چھوڑا۔ مہدی اور ہادی
کے زمانہ میں یہ عداوت کچھ ہلکی پڑ گئی پھر ہارون رشید کے زمانہ میں پوری
قوت اور شدت سے ظاہر ہوئی اُس نے کنکر پتھر کے نیچے سے سادات
علویین کو ڈھونڈھ کر نکالا اور پوری طاقت سے انھیں کچل ڈالنے کی کوشش
کی اُن کے معززین و اکابر کو قید خانہ میں ڈال دیا اُن کے سرداروں کو قتل
کیا بزرگوں کی ذلت و توہین کی۔ زندگی کے آخری دنوں میں اس کے
بغض و عناد اور علیؑ و اولاد علیؑ کی عداوت نے اتنا زور مارا کہ اس نے
حکم دے دیا کہ کربلا منہدم کردی جائے۔ امام حسینؑ کی قبر کا نام و نشان
مٹا دیا جائے اور بیر کا وہ درخت بھی کاٹ ڈالا جائے جو قبر کے پاس
اُگا ہوا تھا تاکہ قبر کے تمام نشانات ایک ایک کر کے مٹ جائیں۔

سیّد محمد ابن ابی طالب اپنی تاریخ تسلیۃ المجالس میں
لکھتے ہیں:۔

"قبر حسین علیہ السلام پر مسجد بھی تعمیر ہوئی تھی یہ مسجد بنی امیہ
اور بنی عباس کے زمانہ حکومت تک باقی رہی سوا ہارون رشید کے
کہ اسی نے اس مسجد کو منہدم کرا دیا اور بیر کا درخت کٹوا دیا

جو قبر حسین علیہ السلام کے پاس اُگا ہوا تھا اور قبر حسینؑ کو زمین کے برابر کر کے اس کا نشان یکسر مٹا دیا۔

(اعیان الشیعہ جلد ۴ قسم ۱ نزہتہ اہل الحرمین صفحہ ۱۶)

کربلائے معلیٰ کی یہ پہلی عمارت سنہ ۱۹۳ ہجری تک باقی رہی۔ جو ہارون رشید کا زمانہ حکومت تھا۔

تیسری فصل

روضہ اقدس کی دوسری تعمیر

جو سنہ ۱۹۳ ہجری میں بعہد امین و مامون ہوئی

قبر مطہر پر دوسری تعمیر ہارون رشید کے منہدم کر دینے کے بعد سنہ ۱۹۳ھ میں ہوئی یہ دوسری عمارت ۴۰ برس متوکل کے زمانہ حکومت تک باقی رہی۔ متوکل علویین کے بغض و عناد اور روضہ حسینی کو منہدم کرنے میں ہارون رشید پر بھی فوقیت لے گیا۔ یہ دوسری عمارت جو ہارون کے مرنے کے بعد تعمیر ہوئی بعض لوگوں کا کہنا ہے مامون نے بنائی کیونکہ اس کی تعمیر اُسی زمانہ میں دوبارہ شروع ہوئی جس سال مامون نے اہل بیتؑ کی محبت کا دم بھرنا شروع

کیا اُس نے اعتراف کیا کہ یہ خلافت علویین کا حق ہے اپنے خراسان کے دوستوں اور ہمدردوں کو خوش کرنے کے لیے اُس نے امام رضا علیہ السّلام کو اپنا ولیعہد بھی بنا لیا۔ عباسیوں کا سیاہ رنگ ترک کر کے علویین کا سبز رنگ اختیار کیا اُس پر شیعوں کی طرف سے عام پسندیدگی کا اظہار کیا جانے لگا۔ اور اُن کو احساس ہوا کہ اس زمانہ میں ہمیں آزادی کی سانس لینے کا موقع ملا۔ چنانچہ اس کی زندگی تک اُنھوں نے سکون و اطمینان کے دن بھی گذارے۔

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ مامون کے زمانۂ حکومت میں قبر مطہر پر روضہ کی دوبارہ تعمیر ہوئی اور سرزمین حائر پر ایک بلند و بالا عمارت بنائی گئی جو ۲۳۲ھ ہجری تک باقی رہی یعنی متوکل کے تخت نشین ہونے تک۔ متوکل نے تخت حکومت پر قدم رکھتے ہی شیعوں کا گلا گھونٹنا شروع کیا مملکت اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں اُن کا پیچھا کیا گیا اپنی حکومت کے پندرہ برس یعنی ۲۳۲ھ ہجری سے ۲۴۷ھ ہجری تک اُس نے چار مرتبہ امام حسینؑ کی قبر کو منہدم کرایا قبر کے نشانات مٹائے ہل چلوایا اور کھیتی کرنے کی کوشش کی۔ پہلی مرتبہ اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال ۲۳۲ھ میں جب اس کی گانے والی کنیز ماہ شعبان میں زیارت کربلائے معلّٰی کے لیے چلی گئی تھی دوسری مرتبہ ۲۳۶ھ ہجری میں تیسری مرتبہ ۲۳۷ھ میں اور چوتھی مرتبہ ۲۴۷ھ

میں اسی سال متوکل مار ڈالا گیا۔ اُس کے بیٹے منتصر کے اشارے پر اُس کے ترک افسران فوج نے اس کا کام تمام کیا۔

متوکل نے اپنے پورے زمانۂ حکومت میں فوجی چوکیاں کربلائے معلّٰی میں تعینات رکھیں۔ اُن چوکیوں پر متعین سپاہی زائرین کی گھات میں رہتے جو بھی قبر کے پاس پہونچتا اُسے مار بھگاتے سخت سے سخت تکلیفیں پہونچاتے یہاں تک کہ کسی کو قتل کسی کو سولی اور کسی کے ہاتھ پیر تک انھوں نے کاٹ ڈالے۔

کربلا سے متعلق جتنے اوقاف تھے متوکل نے اُنھیں بھی ضبط کر لیا اور خزانۂ حسینی میں جو کچھ مال و اسباب تھا لوٹ کر اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا اُس کا کہنا تھا کہ قبر کو اموال و خزائن کی کیا ضرورت؟ (ناسخ التواریخ جلد ۲ ص ۳۸ طبع ایران)

شیعیان امیر المومنینؑ اس متوکل کے زمانۂ حکومت میں ہولناک مصائب و آلام میں مبتلا رہے اُنھیں آرام کی سانس لینے کا کچھ موقع اس کے فرزند منتصر کے زمانہ میں ملا جس نے ترکوں کے ساتھ مل کر ماہ شوال ۲۴۷ھ ہجری میں اپنے باپ متوکل کو مار ڈالا تمام مؤرخین عرب نے اس متوکل کو عرب کا نیرو کہا ہے۔ منتصر نے محض از راہ غیرت اور ہمدردی اہل بیتؑ اپنے باپ متوکل کو قتل کیا کیونکہ یہ متوکل جیسا کہ ابن خلکان اور

دوسرے مؤرخین لکھا ہے امیرالمومنین اور آپ کے جگر پارون
حسنؑ و حسینؑ کا جانی دشمن تھا اُس نے روضۂ حسینی کو جڑ
بنیاد سے منہدم کر دیا آس پاس جتنے مکانات تھے اُنھیں بھی
گروا دیا۔ غرضکہ کربلا میں عمارت یا نشان کی قسم کی کوئی چیز
باقی نہیں رہنے دی کربلا کی زمین پر ہل چلوا کر کھیتی کی کوشش
کی نہر کاٹ کر اُس زمین کو غرق آب کرنا چاہا اور سختی سے ممانعت
کی کہ کوئی اس جگہ نہ آنے پائے۔

(وفیات الاعیان ابن خلکان جلد اول ص)

اس کے لڑکے منتصر کی قوت برداشت اس وقت
جواب دے گئی اور وہ اپنے باپ کی جان لینے پر تیار ہو گیا
جب خود اپنے کانوں سے اس نے متوکل کو جناب سیدہؑ دختر
پیغمبرؐ خدا کی شان میں نازیبا اور بیہودہ کلمات کہتے سن لیے
اُس وقت اُس سے صبر نہ ہو سکا اُس نے کسی عالم سے مسئلہ
دریافت کیا عالم نے کہا متوکل کا قتل کرنا واجب ہے البتہ
اپنے باپ کا قاتل دنیا میں زیادہ دن جینے نہیں پاتا۔
منتصر نے کہا جبکہ میں اپنے باپ کو قتل کر کے
اطاعت خداوندی بجا لاؤں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں
کہ میں بھی مر جاؤں۔

(مناقب شہر ابن آشوب جلد ۲ ص ۱۹ مطبوعہ ایران، بحار الانوار وغیرہ)

چوتھی فصل

روضۂ حسینی کی تعمیر

جو ۲۴۷ھ میں بزمانہ منتصر باللہ عباسی ہوئی

روضۂ اطہر کی تیسری تعمیر ۲۴۷ھ میں ہوئی جبکہ منتصر اپنے باپ کے قتل کیے جانے پر تخت نشین حکومت ہوا۔ مسلمانوں کا حزن واندوہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا تھا جب تک متوکل قتل نہ کیا جاتا اور اس کی جگہ منتصر خلیفہ نہ ہوتا۔ یہ منتصر اپنے باپ کے برخلاف زاہد و متقی فیاض دریا دل پاکیزہ خصلت اور امین تھا۔ عوام الناس کی فلاح و بہبود اور خیر و برکت کے اسباب بڑھانے کی اُسے بڑی فکر رہا کرتی۔ اس نے خلیفہ ہوتے ہی از سر نو امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ

اور امام مظلوم ع کے روضے تعمیر کرائے۔ اہل بیت ع کے ان اوقاف کو واگزار کر دیا جو متوکل نے ضبط کر لیے تھے اسی طرح زیارت سے تعرض کرنے کی بھی اس نے عام ممانعت کر دی تھی لیکن بدنصیبی سے وہ جلد ہی مر گیا اور اس کی حکومت چھ مہینہ سے زیادہ نہ رہ سکی۔ (تاریخ العرب سید امیر علی ص ۲۴۸ و ۲۴۹)

اس چھ ماہ کی مختصر مدت میں اس نے اپنے باپ کی غلطیوں کی تلافی کی امکانی کوشش کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس نے اہلبیت ع اور شیعیان اہلبیت ع کی بڑی خدمتیں کیں۔ کربلائے معلےٰ اور نجف اشرف پر بھرپور توجہ کی۔ دیگر ائمہ طاہرین اور اولاد ابی طالب کی قبروں سے کسی قسم کا تعرض نہیں کیا۔ علامہ مسعودی لکھتے ہیں

"اولاد ابی طالب منتصر کی خلافت سے پہلے سخت ترین مصائب و آلام میں مبتلا تھے۔ سبھوں کو اپنی جانوں کا خطرہ لاحق تھا ان لوگوں کو امام حسین ع اور امیر المومنین ع کی قبر کی زیارت سے روک دیا گیا تھا اسی طرح دیگر شیعوں پر بھی ان مشاہد مقدسہ پر آنے کی سختی سے ممانعت تھی۔ ۲۳۶ھ میں متوکل نے اپنے ایک ملازم کو جو ذیزیج کے نام سے مشہور تھا حکم دیا کہ کربلا جا کر امام حسین ع کی قبر کا نام و نشان مٹا دے اور جس شخص کو وہاں پائے سزا دے۔"

اس کے بعد مسعودی لکھتے ہیں:۔

"یہی صورت حال منتصر کے خلیفہ ہونے تک باقی رہی۔ منتصر کے خلیفہ ہونے پر لوگوں کو امن نصیب ہوا۔ اس نے اولاد ابی طالب کی ایذا رسانیوں کا سلسلہ بند کیا اور فرمان جاری کیا کہ کسی کو نہ قبر حسینؑ کی زیارت سے روکا جائے نہ دیگر اولاد ابی طالب کی قبروں کی زیارت سے۔ اس نے حکم دیا کہ فدک اولاد حسنؑ و حسینؑ کو واپس کر دیا جائے۔ اولاد ابی طالب کے اوقاف اس نے واگزار کر دیے۔ شیعوں سے تعرض کرنے اور ان کو اذیتیں پہونچانے کا سلسلہ ختم کر دیا (مروج الذہب برحاشیہ تاریخ کامل)

(مروج الذہب میں ذی الدیخ نام درج ہے مگر صحیح نام دیزج ہے جیسا کہ بقیہ کتابوں میں مذکور ہے)

چونکہ یہ منتصر علویوں اور اولاد ابی طالب پر بہت مہربان تھا اس نے اپنے زمانہ حکومت میں بہت احسانات کیے۔ دولت و اموال کی ان میں تقسیم کی اور قبور اہلبیت کو ان کی سابقہ حیثیت اور شان پر پلٹا دیا اس نے روضہ حسینی کو از سر نو بنوایا زیارت قبر حسین کے لیے لوگوں کی ہمت افزائی کی (نزھتہ اہل الحرمین جلد ۲ ص ۱۷ اعیان الشیعہ جلد ۴ ص ۳۵)

غرضیکہ تیسری تعمیر روضہ حسینی کی منتصر کے حکم سے ۲۴۷ھ میں ہوئی۔

پانچویں فصل

روضہ حسینی کی چوتھی تعمیر

جو ۲۸۳ھ میں داعی صغیر محمد بن زید بن الحسن الحسینی بادشاہ طبرستان کے ہاتھوں ہوئی

حائر مقدس کی چوتھی تعمیر ۲۸۳ھ کے لگ بھگ ہوئی کیونکہ منتصر کے زمانہ میں جو عمارت ۲۴۷ھ تا ۲۴۸ھ تعمیر ہوئی تھی۔ ماہ ذی الحجہ ۲۷۳ھ میں دفعتہً گر پڑی۔ روضہ مطہر کی چھت بھی گر گئی بہت سے لوگ دب کر مر گئے بہت سے بچ نکلے۔ بظاہر یہ حادثہ اس وقت پیش آیا جبکہ حرم حسینی میں زائرین کی بہت بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی یعنی عرفہ کی مخصوصی میں جو ائمہ طاہرینؑ کے ارشادات کی بنا پر زیارت کربلا کا مخصوص دن ہے اس بنا پر یہ حادثہ ۹ ر ۱۰ ر ذی الحجہ

۲۷۳ھ کو پیش آیا کیونکہ انھیں دونوں تاریخوں میں زائرین وہاں اکٹھا ہوتے ہیں۔

اب یہ پتہ نہیں چلتا کہ یہ ناگہانی حادثہ وہ بھی اتنی بڑی مخصوصی کے دن اپنے آپ ہوا یا اس میں سیاست کا بھی کچھ دخل تھا بنیاد میں کچھ کمزوری رہ گئی تھی اس وجہ سے یہ عمارت خود بخود گر پڑی یا حکومت وقت کی کوئی منظم سازش تھی اگر یہ سازش تھی تو یقیناً منصور، ہارون اور متوکل کے اقدامات سے بھی زیادہ ہولناک تھی۔ منصور وغیرہ نے تو علانیہ انہدام کیا۔ زائرین کی نظروں کے سامنے جس کی وجہ سے انھیں اپنی جانیں بچانے کا آسانی سے موقع مل گیا ہوگا۔ اور یہ منظم سازش روضہ کے انہدام کی ایسے وقت کی گئی جبکہ روضہ حسینی میں زائرین کا بے پناہ ہجوم تھا۔ تل دھرنے کی جگہ نہ تھی اور اس طرح یہ سازش بروئے کار لائی گئی کہ دفعتاً عمارت گر پڑنے کی وجہ سے بے شمار افراد دب کر مر گئے۔ سیاست کی شعبدہ گری اور نت نئی چالبازیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ بات حیرت انگیز بھی نہیں۔ ۲۷۳ھ میں چھت کے گر جانے کے بعد از ظاہر روضہ حسینی دس برس تک یوں ہی بغیر چھت کے رہا۔ یہاں تک کہ ۲۸۳ھ میں محمد بن زید بن الحسن بن محمد بن اسماعیل ملقب بہ داعی صغیر کے ہاتھوں از سر نو روضہ کی تعمیر ہوئی۔ یہ محمد داعی صغیر اپنے بھائی حسن ملقب بہ داعی کبیر

کے بعد طبرستان کے بادشاہ ہوئے دس برس تک ان کی حکومت رہی، انھیں نے معتضد عباسی کے زمانہ خلافت میں از سر نو نجف اشرف اور روضہ حسینی کو تعمیر کیا۔

محمد بن ابی طالب اپنی کتاب "تسلیۃ المجالس" میں روضہ ہائے کربلا و نجف کی بہ زمانہ منتصر تعمیر جدید کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"یہاں تک کہ حسن اور محمد فرزندان زید بن حسن نے خروج کیا اور محمد نے روضہ نجف اور روضہ حسینی کی تعمیر کا حکم دیا اور دونوں قبروں پر عمارتیں بنوائیں (اعیان الشیعہ جلد ۴ ص ۳۰۶ نزہۃ الحرمین ص ۲۰ فرحۃ الغری لابن طاؤس: تاریخ کربلائے معلی ص ۲۲)

یہ حسن ابن زید جو داعی کبیر کے نام سے ملقب تھے یعنی دین اسلام کی طرف دعوت دینے والے تیسری صدی ہجری کے شروع میں اس بات پر قادر ہو گئے کہ طبرستان کو عباسی شہنشاہیت سے الگ کر دیں اور وہاں کے باشندوں میں دین اسلام کی نشر و اشاعت کریں اور مطلق العنان فرمانروا بن جائیں۔ (تاریخ العرب سید امیر علی ص ۲۵۱)

ان کے بعد ان کے بھائی محمد جن کا لقب داعی صغیر تھا، تخت نشین ہوئے ۲۰ سال تک حکومت کی۔ انھوں نے معتضد عباسی سے بھی اپنے تعلقات خوشگوار بنا لیے تھے جو

۲۷۰ھ سے ۲۹۹ھ تک مسند نشین خلافت رہا۔ معتضد کو راضی کر کے انھوں نے کربلا و نجف کے روضوں کی تعمیر کی۔ پہلے کربلا کی زیارت کو آئے پھر نجف اشرف کو گئے۔ بلادِ عجم سے بہت سا مال و اسباب انھوں نے ان دونوں روضوں کو مضبوط عمارت بنانے کے لیے بھیجے۔ حائر مقدس پر بہت بلند قبہ بنوایا جس میں دو دروازے تھے پھر حائر کے گرداگرد چار دیواری کھڑی کی اور بہت سے مکانات بنوائے تھے اور امکان بھر کربلا کے رہنے والوں اور مجاوروں کے ساتھ داد و دہش کی۔ محمد بن زید کی انتہائی کوشش رہی کہ عمارت جہاں تک ہو سکے شاندار خوبصورت اور نقش و نگار میں لاجواب ہو (مجالی اللطف شیخ محمد سماوی ص ۳۹، ۴۰)

ان دونوں بھائیوں کی تفصیل مدینۃ المعاجز اور تحفۃ العالم میں یہ درج ہے:-

محمد بن زید بن محمد ابن اسماعیل ابن الحسن ابن زید بن الحسن المجتبیٰ معروف داعی صغیر ۲۷۳ھ میں طبرستان کے بادشاہ ہوئے۔ ان سے پہلے ان کے بھائی حسن بن زید ملقب بہ داعی کبیر طبرستان کے بادشاہ تھے۔ انھوں نے ۲۵۰ھ میں طبرستان میں ظہور کیا۔ ۲۷۰ھ میں وفات پائی۔ ان کے مصنفات میں کتاب الجامع، کتاب البیان اور کتاب الحجۃ ہے۔ یہ لاولد

مرے۔ ان کے بعد ان کے بھانجے داماد ابو الحسین احمد بن محمد بن ابراہیم بن علی بن عبدالرحمٰن شجری بن قاسم بن الحسن بن زید بن الحسن بادشاہ ہوئے۔ داعی کبیر کے بھائی محمد بن زید اس وقت جرجان میں تھے انھیں جب بھائی کے مرنے اور ابو الحسین کے بادشاہ بن بیٹھنے کی اطلاع ملی تو لشکر لے کر ابو الحسین پر چڑھ دوڑے اور ۲۷۱ھ میں اسے قتل کر ڈالا اور خود طبرستان کے بادشاہ ہوئے۔ سترہ برس سات مہینے حکومت کی۔ آس پاس کے تمام علاقوں پر ان کا اقتدار قائم ہو گیا۔ رافع بن ہرثمہ نے نیشاپور میں ان کے نام کا خطبہ بھی پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ میں یہ خراسان کی تسخیر کے لیے لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ جان کے باہر جنگ ہوئی اور قتل ہو گئے۔

چھٹی فصل

روضہ حسینی کی پانچویں تعمیر

جو ۳۶۹ھ میں سلطان عضدالدولہ بویہی کے ہاتھوں ہوئی

حائر مقدس کی پانچویں تعمیر عضدالدولہ فنا خسرو بن رکن الدولہ بویہ دیلمی کے ہاتھوں ہوئی جو اپنے باپ کے بعد خلیفہ طائع بن مطیع عباسی کے زمانہ خلافت میں بغداد کا بادشاہ ہوا۔ عضدالدولہ کا زمانہ مختصر رہا۔ اس کی حکومت صرف پانچ برس تک رہی۔ ۳۷۲ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ عضدولہ نے کربلا و نجف کی زیارت کی اور ان دونوں مشاہد مقدسہ کی تعظیم و احترام میں حد سے زیادہ اہتمام کیا۔ ان دونوں کی عمارتیں از سر نو بنوائیں، جائدادیں ان کے لیے وقف کیں۔ عضدالدولہ ہر سال کربلا و نجف کی زیارت کو جاتا۔۔۔

بویہیین کے زمانہ حکومت میں کربلا کو بہت فروغ حاصل ہوا اس کی دینی اجتماعی، سیاسی اقتصادی شان بڑھ گئی۔ تجارت میں اضافہ زراعت کو غیر معمولی ترقی ہوئی۔ علوم و فنون میں چار چاند لگے۔ بڑے بڑے جید علماء اور نامور شعراء یہاں پیدا ہوئے

اور اس کی دینی و مذہبی مرکزیت تمام مقامات پر سبقت لے گئی۔

علامہ ابن اثیر نے اپنی تاریخ کامل میں عضد ولدولہ کے کارناموں نیز اُس کی خدمات کو جو اس نے مکہ و مدینہ اور کربلا نجف کے سلسلے میں انجام دئیے جی کھول کر خراج تحسین ادا کیا ہے اس نے جو علمی و اسلامی خدمات انجام دی ہیں ان سے انکار کیا بھی نہیں جا سکتا۔ اس نے روضہ حسینی کی تعمیر میں غیر معمولی اہتمام سے کام لیا۔ قبہ کو از سر نو بنوایا۔ قبہ کے اردگرد رواقوں کو پہلے سے زیادہ شان و شوکت بخشی، زیبائش و آرائش میں انتہا کر دی۔ ضریح اقدس کی دلکشی و خوبصورتی بڑھانے میں جی کھول کر پیسے صرف کیے۔ سرزمین حائر کے اردگرد مکانات اور بازار بنائے۔ شہر کربلا کے چاروں طرف بلند و بالا شہر پناہ کی دیواریں بنوائیں اور اس کو ایک مضبوط قلعہ کی شکل دیدی پھر شہر کے باشندوں کے لیے پانی اور روشنی کی فراہمی میں اہتمام کیا۔ دور دراز سے نہریں کاٹ کر کربلا تک لائی گئیں۔ روشنی کے لیے مخصوص اوقاف کیے۔

(مجالس الالطاف ص ۴۰)

غرضکہ اہل بیت طاہرین سے اسے جو بے پناہ عقیدت و اخلاص تھا اس کی بنا پر اس نے کربلا کو نئی زندگی دیدی جبکہ عباسی سلاطین کی ظالمانہ سیاست اور تخریب و تباہ کاری کے

...ت نے اسلوب سے یہی کربلا دم توڑنے کے قریب تھی۔

شیخ بہاءالدین عاملی نے بھی اپنی کتاب معرفۃ شہور السنۃ میں عضدالدولہ کے کربلا و نجف کے روضوں کی تعمیر کا ذکر کیا ہے چنانچہ ماہ شوال کے حال میں وہ لکھتے ہیں :-

"۸ شوال کو سلطان فاضل عضدالدولہ دیلمی نے ۳۷۲ھ میں انتقال کیا۔ یہ راسخ العقیدہ شیعہ تھے۔ ان کی بنائی ہوئی عمارتوں میں قبہ امیرالمومنینؑ اور قبہ حسینی ہے (تنظیم الزہراص ۲۳۲ طبع ایران)

عضدالدولہ کی ایک زیارت کربلا و نجف کا تذکرہ فرحۃ الغری اور تحفۃ العالم میں ان لفظوں میں مذکور ہے۔

"۳۷۱ھ کے ماہ جمادی الاولیٰ میں عضدالدولہ نے روضۂ حسینی اور روضہ نجف کی زیارت کی۔ جمادی الاولیٰ کی آخری تاریخوں میں اس نے روضہ حسینی کی زیارت کی۔ بہت کچھ خیرات کی۔ ہر طبقے کے لوگوں پر داد و دہش کی۔ صندوق بھر درہم سادات علویین میں تقسیم کیا۔ ہر ایک کے حصہ میں ۳۲ درہم آئے اس وقت وہاں سادات ۲۳ سو کی تعداد میں تھے۔ عوام اور مجاورین کو دس ہزار درہم دیے۔ کربلا کے باشندوں میں ایک لاکھ پونڈ ستو اور خرمے تقسیم کیے۔ ۵۰۰ کپڑے بانٹے اور روضہ کے نگراں کو ایک ہزار درہم دیا۔ پھر وہاں سے نجف اشرف پہونچا۔ مشہد امیرالمومنینؑ کی زیارت کی

مشرف ہوا۔ صندوق بھر درہم یہاں بھی تقسیم کیے۔ ۱۷ سو علوئیین وہاں موجود تھے۔ ہر ایک نے ۲۱ درہم پائے۔ مجاورین وغیرہ میں ۱۵ سو درہم بانٹے۔ نجف اشرف کی زیارت کرنے والوں میں ۱۵ سو درہم تقسیم کیے۔ اطراف کے لوگوں میں ایک ہزار درہم فقرا اور فقہا کو ۳ ہزار درہم دیئے" (فرحۃ الغری ص ۵۵، تحفۃ العالم جلد ۱ ص ۲۷۳)

اسی عضد الدولہ کے زمانہ میں سرزمین حائر پر عمران بن شاہین نے مسجد اور وہ رواق تعمیر کیا جو رواق عمران کے نام سے مشہور ہے۔ عمران بن شاہین نے کوئی بہت بڑی تقصیر کی تھی اور حکومت کے خوف سے جنوبی علاقوں کی طرف بھاگ نکلا اور رفتہ رفتہ وہاں زور پکڑتا گیا اور ایک مستقل حکومت اس کی قائم ہو گئی جو اس کے مرنے کے بعد بھی باقی رہی اور اس کی اولاد یکے بعد دیگرے مسند حکومت پر متمکن ہوتی رہی۔ عضد الدولہ کے زمانہ میں اس نے نافرمانی کی پھر بھاگ کر امیر المومنین ؑ کے حرم میں پناہ لی اور عضد الدولہ نے اسے معاف کر دیا اور اسی عمران نے کربلا و نجف میں وہ رواق تعمیر کیا جو رواق عمران کے نام سے مشہور ہے (فرحۃ الغری لابن طاؤس ص ۶۷) یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اللہ سے نذر کی تھی کہ اگر عضد الدولہ کے غیظ و غضب سے جان بچ گئی تو کربلا نجف اور کاظمین تینوں

مقامات پر مسجد تعمیر کروں گا۔ چنانچہ نجات ملنے پر اس نے تینوں مقامات پر مسجدیں تعمیر کرائیں۔ نجف کی مسجد حرم؛ مقدس کے رواق سے ملی ہوئی تھی پھر شاہ عباس صفوی نے صحن بنوا کر مسجد اور رواق کو الگ الگ کر دیا۔ اس مسجد کے دو دروازے ہیں ایک باب طوسی کے پاس دوسرا صحن میں جس کا نشان مٹ گیا ہے۔ یہ مسجد آج بھی مسجد عمران کے نام سے مشہور ہے۔
(آثار الشیعۃ الامامیہ عبد العزیز جواہری ص ۱۲۷ طبع طہران)

حائر مقدس میں بادشاہوں کے مقبرے

سلاطین بو یہیین نے اہل بیت طاہرین ع کی جو بھی جلیل الشان خدمتیں کیں ان سے نہ انکار کیا جا سکتا ہے نہ انھیں فراموش۔ تاریخ اس کا سب سے روشن ثبوت ہے انھوں نے اپنی زندگی میں بے مثال عقیدت و اخلاص سے عتبات مقدسہ کی خدمتیں کیں اور مرنے کے لب۔ انھیں مشاہد مقدسہ کو اپنی آخری آرام گاہ بنایا۔ کچھ نے سرزمین نجف کو پسند کیا۔ کچھ نے حائر حسینی کو۔ حائر حسینی میں ان کی قبریں روضہ امام مظلوم کے شرقی حصہ میں ہیں جس جگہ کو آج کل صحن صغیر کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ صحن حسینی سے فرق کرنے کے لیے یہ صحن صغیرہ صحن ہے جو بہت قدیمی چہار دیواری سے گھرا ہوا ہے

اور اس کی دیواریں کاشانی نقش و نگار سے آراستہ ہیں چھتوں میں
بہت خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے ہیں۔

سلاطین بویہ نے حائر مقدس میں اس جگہ کو اپنی قبروں کے لیے لیا۔ تاکہ ان کی قبریں دونوں حرم کے راستہ میں پڑیں اور زائرین ان پر چل کر ایک حرم سے دوسرے حرم تک جائیں انھوں نے اس عمارت کو بڑی خوبصورتی اور نفاست سے تعمیر کیا۔ یہ پوری عمارت فنکاری اور صنعت کا شاہکار ہے اور چوتھی یا پانچویں صدی ہجری میں جبکہ عباسیوں کی حکومت تھی اس وقت کی یہ قدیمی اور تاریخی عمارتوں میں سے ہے۔ ان کی بعض قبریں صحن کے بیچ میں ہیں اور بعض صدر دروازہ کے پہلو میں۔ یہ صدر دروازہ شمال کی جانب ہے۔ سلاطین بویہ نے جو اپنے زمانہ میں غیر معمولی جاہ و جلال اور غلبہ و اقتدار کے مالک تھے جن کی دولت و ثروت کا کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے اپنے مقابر کے لیے یا حرم حسینی کے لیے جائدادیں وقف کیں تھیں یا نہیں اس کا پتہ نہیں چلتا ہے آخر وہ اوقاف کیا ہوئے۔ ممکن ہے سلاطین ترکیہ کے بادشاہ مراد چہارم نے ۱۶۳۸ء میں فتح عراق کے موقع پر جہاں شیعوں کی دوسری جائدادیں اور اموال و اسباب لوٹے وہاں ان اوقاف کو بھی ختم کر دیا ہو۔ انگریز مورخ لونگریک اپنی کتاب تاریخ عراق

کے چار سو سال ص ۷۹۔ ۸۰ پر لکھتا ہے

"سلطان مراد چہارم نے مفتی یحییٰ کو حکم دیا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی کا قبہ پھر سے تعمیر کیا جائے اس کے لیے بے شمار اوقاف وقف کیے گئے، ان کا اکثر حصہ شیعوں کی جائدادوں پر مشتمل تھا۔"

بہت ممکن ہے کہ خان پاشا کبیر جو کربلا کے قریب ہے اسی طرح تکیہ خالد یہ جو نجف کے بازار میں ہے عتبات عالیات کی جائدادوں ہی میں سے ہوں جسے مراد رابع نے ضبط کر لیا تھا ورنہ شیخ جیلانی اور خالد بن ولید کے لیے کربلا و نجف میں اوقاف ہونے کا کوئی تک ہی نہیں تھا۔

شاہوں کے یہ مقابر اور صحن صغیر، جو حائر حسینی سے ملحق تھا ۱۳۵۸ھ تک باقی رہے۔ آج کل ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں اب صرف آثار قدیمہ سے دل چسپی رکھنے والوں کے دلوں میں ان کی یاد باقی رہ گئی ہے کتنی حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ دوسرے شہروں میں تو آثار قدیمہ کی حفاظت کے لیے بڑا اہتمام کیا جاتا ہے معمولی معمولی چیز بھی بہت سنبھال کر رکھی جاتی ہے مگر کربلائے معلیٰ میں انتہائی قدیم عمارتیں جو عباسی خلافت کے زمانہ کی ہیں بے تامل اور بلا جھجک مٹائی جا رہی ہیں۔ کربلا کے ڈپٹی کمشنر عبدالرسول خالصی کو محرم سے چند روز پہلے حکم ملا اور ٹھیک زیارت کے دنوں میں ۲۲ محرم ۱۳۶۸ھ مطابق ۲۲ نومبر ۱۹۴۸ء

انھوں نے صحن صغیر کھودنے پر مزدور لگا دیے اور ڈائنامیٹ وغیرہ سے کام لے کر دو یا تین دن کے اندر ہی وہ ساری عمارتیں زمین کے برابر کر دی گئیں۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے اس انہدام کے لیے حکومت کی پوری مشینری لگا دی تھی۔ قدم قدم پر پولیس اور فوج کا پہرہ تھا ہر طرف سے دروازہ بند کر دیے گئے کسی کو قریب جانے کی اجازت نہیں تھی اور بہانہ یہ تھا کہ سڑکیں چوڑی کی جا رہی ہیں حالانکہ یہی کام ان مقابر اور صحن صغیر کو چھوڑ کر بھی بہت آسانی سے ہو سکتا تھا۔

ساتویں فصل

روضۂ حسینی کی چھٹی تعمیر

جو ۴۰۷ھ میں زرابن سہلان رامہرمزی کے ہاتھوں ہوئی

روضۂ حسینی کی چھٹی تعمیر چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں ہوئی کیونکہ عضدالدولہ بن رکن الدولہ نے سنہ ۳۶۹ھ۔ سنہ ۳۸ میں جو شاندار روضہ تعمیر کرایا تھا۔ مقدرات نے اسے زیادہ دن باقی نہیں رہنے دیا۔ یہ عمارت ایک ناگہانی حادثہ میں دفعتاً

خاک کا ڈھیر ہو گئی۔ وہ یوں کہ ۴۰۷ھ کے ماہ ربیع الاول میں کسی رات دفعتاً روضہ میں آگ لگ گئی سب کچھ آگ کی نذر ہو گیا حتیٰ کہ بلند و بالا گنبد اور رواق بھی اس آگ سے نہ بچ سکے صرف حرم کا تھوڑا بہت حصہ اور باہر کی شہر پناہ کی دیواریں بچ رہیں۔

علامہ ابو الفرج ابن جوزی جو اس واقعہ کے قریب ترین مورخ گزرے ہیں انھوں نے اپنی کتاب تاریخ الملوک والامم میں اس حادثہ اور اس کے ظاہری اسباب پر ڈیڑھ سو برس بعد تفصیل سے روشنی ڈالی ہے وہ لکھتے ہیں۔

"۴۰۷ھ کے ماہ ربیع الاول میں مشہد حسینی اور تمام رواق جل گئے اس کا سبب یہ ہوا کہ خدام نے دو بہت بڑی شمعیں روشن کی تھیں۔ آدھی رات کو یہ دونوں شمعیں گر پڑیں جس سے سب کچھ جل اٹھا اور آگ ہر طرف پھیل گئی" (المنتظم فی تاریخ الملوک والامم جلد ۷ ص ۲۸۲ طبع حیدرآباد دکن ۱۳۵۸ھ)

علامہ ابن اثیر نے بھی ۴۰۷ھ کے واقعات میں اس آتشزدگی کے واقعہ کو لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"اسی ماہ ربیع الاول میں قبہ مشہد الحسین اور رواق سب کے سب جل گئے اس کا سبب یہ ہوا کہ خدام نے دو بہت بڑی شمعیں روشن کی تھیں جو رات میں گر پڑیں جس سے حرم میں آگ لگ گئی اور یہ آگ پوری عمارت میں پھیل گئی" (تاریخ کامل جلد ۹ ص ۱۰۲ البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر جلد ۱۲ ص ۴ و ۵)

حسب قرائن یہ آتشزدگی ربیع الاول کے پہلے عشرہ کے آخر یا دوسرے

عشرہ کے شروع میں ہوئی اور خود بخود نہیں ہوئی بلکہ اس میں بھی خفیہ ہاتھ کام کر رہے تھے۔ قادر باللہ عباسی کو جو اس زمانہ میں خلیفہ تھا' ان حادثات اور فتنوں سے جو اس کے زمانہ حکومت میں تمام ممالکت اسلامیہ کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے ہم بے تعلق نہیں قرار دے سکتے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔

جب اس کی سازشی کارروائیوں کی وجہ سے امن عامہ غارت ہو گیا تو عباسی مجبور ہو کر وزارت عظمیٰ کے عہدہ ایک منجھے ہوئے سیاست داں' ماہر و تجربہ کار مدبر کے حوالہ کرنے پر آمادہ ہوئے تاکہ پوری مملکت میں جو ہیجان برپا ہے دور ہو امن قائم اور سکون و اطمینان کی فضا پیدا ہو۔ چنانچہ ربیع الاول کے بعد دوسرے ہی مہینہ میں ابن سہلان رام ہرمزی وزیر بنایا گیا۔ ابن جوزی المنتظم میں لکھتے ہیں۔

"ماہ ربیع الثانی میں ابو محمد حسن بن فضل رام ہرمزی کو حاکم وقت کی طرف سے خلعت وزارت عنایت ہوئی اور اسی نے حائر الحسینی کی چار دیواری تعمیر کی۔"

ابن سہلان نے سب سے پہلا کام تو یہ کیا کہ حائر حسینی کی چار دیواری کھڑی کروائی جو بے رحم اور ظالمانہ سیاست کا شکار ہو گئی تھی جیسا کہ ابن جوزی اور ابن کثیر شامی نے بدایہ و نہایہ جلد ۱۲ ص ۱۶ پر اس کی صراحت کی ہے اور یہ وہی چار دیواری ہے جس کا علامہ ابن ادریس نے اپنی کتاب السرائر میں ذکر کیا ہے۔

ابن سہلان نے اس باہری چار دیواری کو پھر سے تعمیر کیا اور پہلے سے بھی زیادہ حسین و جمیل روضہ کی عمارت بنائی۔ ابن بطوطہ نے اپنی ۷۲۷ھ کی سیاحت میں اسی عمارت کو دیکھا تھا اور اپنے سفرنامہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

روضہ حسینی کی تعمیر کے علاوہ ابن سہلان نے نجف اشرف کے صحن کی چار دیواری بھی بنوائی اور یہ چار دیواری حائر حسینی کی چار دیواری سے سات برس پہلے بنائی گئی چنانچہ علامہ ابن اثیر ۴۰۰ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں۔

"اسی ۴۰۰ھ میں ابو محمد بن سہلان بیمار پڑا اور بیماری سخت ہو گئی اس نے منت مانی کہ اگر مجھے شفا ہو گئی تو امیر المومنینؑ کے روضہ کے گرد ایک دیوار تعمیر کردوں گا چنانچہ اُسے شفا ہوئی اور اسی نے چار دیواری بنانے کا حکم دیا اسی ۴۰۰ھ میں ابو اسحاق ارجانی کی نگرانی میں چار دیواری بن کر تیار ہو گئی۔"

یہ حالت و کیفیت تھی اس زمانہ میں۔ آج کل تو یہ حال ہے کہ ہمارے نوجوان جیسا کہ ظاہری طور پر اندازہ ہوتا ہے منت مانتے ہوں گے کہ اگر حکومت کی کرسی تک پہونچنا نصیب ہو گیا تو حائر حسینی اور اس کے ضمن میں جتنی عمارتیں ہیں سب کو کھود ڈالیں گے۔

یہ ابن سہلان زیادہ دن زندہ نہ رہ سکا۔ ۳۳۴ھ میں مارا گیا۔ اس کی بنوائی ہوئی عمارت جو روضہ مطہر کی چھٹی عمارت تھی ایک صدی سے زیادہ دن تک باقی رہی اور اس عرصہ میں روضہ مطہر کے سلسلہ میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ہوا جو ذکر کے قابل ہو البتہ ۵۲۶ھ میں خلیفہ مسترشد باللہ العباسی نے دست

درازیاں کیں اس کے زمانہ میں دہشت انگیزی کا سلسلہ پھر سے شروع ہوا اور شیعوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا۔ حائر مقدس کے خزانے بیش قیمت مال و اسباب اور زر و جواہر سے چھلک رہے تھے جو بطور نذر یا بطور وقف خزانہ حسینی کی ملکیت تھے۔ مسترشد نے چھاپا مارا اور جو کچھ زر و جواہر مال و اسباب ہاتھ لگا سب ضبط کر لیا جیسا کہ اس سے پہلے متوکل کر چکا تھا اس نے خزانہ کی ساری دولت اپنے لشکر میں تقسیم کر دی یہ کہہ کر کہ قبر کو خزانہ اور مال و اسباب کی کیا حاجت۔

مگر مسترشد نے بس اتنا ہی کیا حائر حسینی یا قبر مطہر کے ساتھ کوئی بے ادبی نہیں کی اور اس بنا پر اس کا رویہ دوسرے عباسی خلفاء کے مقابلہ میں بہتر ہی رہا (بحار الانوار جلد ۱ص ۲۹۷، تذکرہ الزہرا ص ۲۱۹، تاریخ کربلائے معلی ص ۱۳۰)

آٹھویں فصل

روضہ حسینی کی ساتویں تعمیر

جو ۶۲۰ھ میں ناصر الدین اللہ العباسی کے ہاتھوں ہوئی

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے درمیان بظاہر حائر مقدس میں کوئی ایسا حادثہ پیش نہیں آیا جس کی وجہ سے روضہ حسینی کی از سر نو تعمیر یا اس کی مرمت

وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوتی سوا اس واقعہ کے جو مسترشد باللہ عباسی کے زمانہ میں پیش آیا تھا کہ اس نے حرم حسینی کی ساری دولت اور خزانہ کے قیمتی مال واسباب اور جواہرات ۵۲۶ھ میں لوٹ لیے تھے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ ابن سہلان کی بنائی ہوئی عمارت جو ۴۰۷ھ میں تعمیر ہوئی تھی ابو العباس احمد الناصر الدین اللہ ۵۷۵ھ۔ ۶۲۲ھ کے زمانہ تک قائم رہی۔

یہ ناصر الدین اللہ جیسا کہ تاریخ بتاتی ہے بڑا با اقتدار خلیفہ گزرا ہے اس کا ۴۷ سالہ طویل دور حکومت خوش حالی و فارغ البالی اور جنگی عظمت کا نمونہ تھا اس نے بہت بڑی فوج بنا رکھی تھی جس کی وجہ سے آس پاس کی تمام حکومتوں پر اس کی دھاک جمی رہی اس کے عہد میں پورے اسلامی مملکت میں امن و امان کا دور دورہ تھا۔

یہ خلیفہ عظمت و جلال اور پاکیزہ خصائل کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے آباؤ اجداد کے برخلاف اہلبیتؑ طاہرین کا دوست دار تھا۔ مختصر اخبار الخلفاء میں مذکور ہے کہ یہ خلیفہ مذہباً شیعہ تھا اور اپنے باپ دادا کے برخلاف مذہب امامیہ کی طرف میلان رکھتا تھا اس نے امام موسیٰ کاظمؑ کے روضہ کو جائے امن قرار دیا جو مجرم بھی اس روضہ میں پناہ لے لیتا اس کی جان و مال محفوظ اور حکومت اس سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتی۔ لوگ اپنی حاجتوں پریشانیوں اور جرائم میں اس روضہ کی پناہ لیتے۔ ناصر ان کی حاجتوں کو پورا کرتا ان کی پریشانیوں میں ان کی

مدد کرتا اور ان کی خطاؤں کو معاف کر دیتا (مختصر اخبار الخلفاء مصنفہ علی ابن انجب ص ۱۱)

اس ناصر کے زمانہ حکومت میں کربلائے معلیٰ اور دیگر عتبات عالیات جگمگا اٹھے زائرین کی ہمت بندھی اور اطراف و جوانب سے ٹوٹ ٹوٹ کر لوگ کربلائے معلیٰ کی زیارت کو آنے لگے۔ تقریباً نصف صدی کی حکومت میں اس نے حائر حسینی کو غیر معمولی فروغ دیا اور باوجود اس کے کہ ابن سہلان وزیر نے قبر مطہر پر پانچویں صدی کے شروع میں جو روضہ تعمیر کیا تھا اس کو از سر نو بنانے کی ضرورت نہ تھی لیکن ناصر کو اہل بیت طاہرین سے جو غیر معمولی عقیدت و محبت تھی اس نے اس کو مجبور کیا کہ اس عمارت کے جلال و جمال میں مزید اضافہ کیا جائے۔ اس نے اپنے وزیر موید الدین محمد مقدادی قمی کو حکم دیا کہ حائر کی صورت سنواری جائے اور مناسب پیمانہ پر اس کی تعمیر ہو۔ ۶۲۰ھ میں جو ناصر کی زندگی کا آخری زمانہ تھا وزیر نے روضہ مبارک کے استحکام اور تزئین کا سلسلہ شروع کیا اس نے اس عمارت کے استحکام میں غیر معمولی انہماک سے کام لیا۔ روضہ کی دیواروں پر ساکھو کی لکڑی چڑھائی۔ حریر و دیبا کے پردے تمام دیواروں پر لٹکائے (مجالی اللطف ص ۸۱)

اسی قسم کی اصلاحات اور تزئین دیگر عتبات عالیات میں بھی کی گئیں سامرہ میں بھی یہی سب کچھ ہوا اسمیں سرداب بھی بنایا گیا جس پر قیمتی آبنوس کی جالی بنائی گئی اور اس پر یہ آیت کندہ کرائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربی ومن یقترف حسنۃ نزد لہ فیھا حسنا

ان اللہ غفور شکورہ

دیوار دل پر یہ عبارت کندہ کرائی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد رسول اللہ امیر المومنین علی ولی اللہ فاطمۃ الحسن بن علی الحسین بن علی علی ابن الحسین۔ محمد بن علی جعفر بن محمد موسیٰ بن جعفر علی ابن موسیٰ۔ محمد ابن علی علی ابن محمد الحسن ابن علی۔ القائم بالحق الکنیٰ والالقاب شیخ عباس قمی جلد۳ ص ۱۹۶ اعیان الشیعہ وغیرہ۔

نویں فصل

روضہ حسینی کی آٹھویں تعمیر

جو ۷۶۷ھ میں سلطان اویس جلائری اور اسکے جانشینوں کے ہاتھوں ہوئی حرم حسینی کی آتشزدگی کے فوراً بعد ۴۰۷ھ میں سلطان الدولہ دیلمی کے وزیر ابن سہلان نے روضہ مبارک کی بہت بڑے پیمانہ پر تعمیر کرائی تھی پھر عباسی خلیفہ ناصر الدین اللہ کے حکم سے ۶۲۰ھ میں اسکے وزیر موید الدین محمد مقدادی قمی نے اس روضہ میں بہت کچھ اضافے اور تزئین کی یہ عمارت تقریباً ۳۰۶ سال تک قائم رہی۔ پانچویں چھٹی ساتویں صدی خیر و خوبی سے گزری

آٹھویں صدی کا بھی بیشتر حصہ بہتر طریقہ پر گزرا اس عمارت کو نہ کوئی گزند پہونچا نہ اس کی بے حرمتی ہوئی اسی عمارت نے عباسی حکومت کا خاتمہ دیکھا اور منگولیوں کی حکومت اور عراق میں جلائری بادشاہت بھی دیکھی اسی عمارت کو مشہور سیاح ابن بطوطہ نے ۷۲۶ھ میں دیکھا اور اپنے سفرنامہ میں اس کا ان لفظوں میں تذکرہ کیا:۔

"پھر ہم نے شہر کربلا کی طرف سفر کیا جہاں امام حسینؑ کا مزار مبارک ہے۔ یہ چھوٹا سا شہر ہے جس کے چاروں طرف کھجور کے باغ ہیں اور فرات کا پانی اُسے سیراب کرتا ہے اس کربلا میں بہت بڑا مدرسہ ہے اور ایک پاکیزہ جگہ جہاں آنے جانے والوں کی ضیافت کی جاتی ہے۔ روضہ کے دروازہ پر حاجبوں اور خدام کا ہجوم رہتا ہے ضریح پر سونے اور چاندی کی قندیلیں آویزاں ہیں۔ دروازوں پر ریشمی پردے ہیں۔" (رحلۃ ابن بطوطہ جلد ۱ ص ۱۳۹ طبع مصر)

آج کل قبر مطہر پر جو روضہ بنا ہوا ہے یہ وہ عمارت نہیں جو سلاطین بویہ نے بنوائی تھی جیسا کہ لوگوں میں غلط طور پر مشہور ہے اس لیے کہ موجودہ عمارت ۷۶۷ھ کی بنی ہوئی ہے اور ۷۶۷ھ تک بنی بویہ کی حکومت کو ختم ہوئے تین سو برس سے زیادہ کی مدت ہو چکی تھی کیونکہ بنی بویہ کی حکومت ۴۴۷ھ میں ختم ہو گئی تھی اسی طرح یہ عباسیوں کی بنائی ہوئی بھی نہیں کیونکہ اُن کی حکومت کا خاتمہ بھی ۶۵۶ھ میں ہوا۔ موجودہ عمارت سلطان ادیس بن شیخ حسن الجلائری کے عہد حکومت میں تعمیر ہوئی انھیں نے ۷۶۷ھ

میں مسجد اور حائر حسینی کی از سر نو تعمیر شروع کی یعنی ابن بطوطہ کی سیاحت کے پورے چالیس برس بعد پھر سلطان اویس کے بیٹوں سلطان حسین اور سلطان احمد نے حائر کی عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ اس تعمیر کی تاریخ بھی ایک محل کے اوپر جو شملۂ مریم کے نام سے مشہور ہے درج تھی۔ اس تاریخ کو محمد بن سلیمان بن زویر سلیمانی نے جیسا کہ تاریخ کربلائے معلیٰ میں مذکور ہے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ یہ تاریخ محل مذکور میں ١٢١٦ھ تک محفوظ رہی۔ اسی ١٢١٦ھ میں وہابیوں نے اپنے سرغنہ ابن سعود کی زیر قیادت کربلائے معلیٰ پر تاخت کی جی بھر کے لوٹا چھینا تباہ و برباد کیا اور جہاں تک ہو سکا تاراج کیا اور دس ہزار سے زائد بے گناہ اور نہتے عورت مرد بوڑھوں بچوں کو قتل کیا اسی سال عثمانیوں نے (یعنی ترکی سلاطین نے) اس محل سے یہ تاریخ ہٹادی اور اس کے نشانات مٹادیے۔

سلطان اویس نے جو عمارت بنوائی تھی وہ بھی اپنی پہلی شکل پر باقی نہیں رہی بلکہ اس میں متعدد اصلاحات ہوتی رہیں اور وقتاً فوقتاً نامی گرامی رئیسوں سلاطین شیعہ اور سلاطین ترکی وغیرہ کی طرف سے اضافے ہوتے رہے۔

سلطان اویس جلائری کے عراق آنے اور اسی سال حائر مقدس کو از سر نو بنوانے کی وجہ یہ ہوئی کہ سلطان اویس اپنے باپ شیخ حسن بانی سلطنت جلائری کے مرنے پر عراق و خراسان کے بادشاہ ہوئے ان کا پایہ تخت تبریز تھا انھوں نے اپنے غلام امیر جان کو جو مرجان کے نام سے مشہور ہے بغداد کا گورنر مقرر کیا۔

مرجان نے چاہا کہ عراق کا خود حاکم بن بیٹھے چنانچہ اس نے بغاوت کر دی اور اپنے آقا کے احکام کی بجا آوری سے انکار کر دیا۔ ادریس نے اس کی سرکوبی کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ جب یہ لشکر بغداد پہونچا تو مرجان نے اس کے مقابلہ کی اپنے میں طاقت نہ پائی اس کے اعوان و انصار اس کا ساتھ چھوڑ کر اس سے الگ ہو گئے۔ اس کے لیے بس یہی چارہ کار رہا کہ اپنے کو بادشاہ کے حوالے کر دے مگر اس صورت میں بھی قتل کیا جانا یقینی تھا اس نے مخصوص اصحاب سے مشورہ لیا۔ انھوں نے رائے دی کہ امام حسین ؑ کے حرم میں جا کر پناہ گزیں ہو جاؤ چنانچہ وہ اپنا سارا مال و متاع لے کر کربلا بھاگ گیا۔ سلطان ادریس کامیاب و منصور بغداد میں داخل ہوئے۔

ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ۱۴ ص ۳۰۷ پر لکھتے ہیں۔

"اسی مہینہ یعنی شعبان ۷۶۰ھ میں سلطان ادریس بن شیخ حسن بادشاہ عراق و خراسان نے مرجان کے ہاتھوں سے بغداد کو واپس لیا۔ یہ مرجان بادشاہ کی طرف سے نائب تھا لیکن باغی ہو کر حلقہ اطاعت سے باہر ہو گیا۔ سلطان ادریس بے شمار فوجیں لیکر آئے مرجان بھاگ نکلا اور سلطان ادریس بڑے جاہ و جلال سے بغداد میں داخل ہوئے ان کے داخلہ کا دن ایک یادگار دن تھا

مرجان نے کربلا پہونچکر حرم حسینی میں پناہ لی پھر وہ شہور منارہ بنوایا جو ماذنہ عبد کے نام سے مشہور تھا اور یہ منارہ حائر حسینی کے مشرقی پہلو میں تھا مسجد کے پاس۔ بغداد و کربلا وغیرہ میں اس کی جتنی دولت

اور جائدادیں تھیں اس نے سب امام حسینؑ کے نام وقف کر دی اور ساری آمدنی مسجد اور منارہ پر خرچ ہونے لگی۔

سلطان اویس کو جب معلوم ہوا کہ اس نے اپنی ساری دولت حرم حسینی کے لیے وقف کر دی ہے تو اسے معاف کر دیا پھر اسے حاضر خدمت ہونے کا حکم دیا اس کے اس کام پر اس کی بڑی عزت و توقیر کی اور دوبارہ بغداد کی گورنری پر بحال کر دیا۔ ابن کثیر نے بھی یہی تمام باتیں لکھی ہیں کیونکہ یہ مرجان اور شاہ اویس دونوں کے ہم عصر تھے اور یہ تمام واقعات ان کی آنکھوں کے سامنے گزرے۔ اس واقعہ کے سات برس بعد ۷۷۴ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

"بغداد پر دوبارہ قبضہ کر کے سلطان اویس بادشاہ عراق و خراسان نے مرجان کو اپنے پاس بلایا، اس کی عزت افزائی اور جاں بخشی کی اور دونوں اس بات پر متفق ہوئے کہ فتنہ کا اصل بانی احمد نامی ایک امیر تھا جو وزیر کا بھائی تھا بادشاہ نے اپنے سامنے بلا کر چھری سے اس کا پیٹ چاک کر ڈالا اور کسی افسر کو حکم دیا جس نے اس کا کام تمام کر دیا۔" (البدایہ والنہایہ جلد ۱۴ ص ۳۱۹)

جب سلطان اویس نے دیکھا کہ ہمارے غلام نے حائر مقدس کی اتنی تنظیم کی ہے اور اپنی ساری جائداد اس کے لیے وقف کر دی ہے حالانکہ چاہیے تھا کہ اس کام کو وہ خود کرتے۔ چنانچہ انھوں نے حائر مقدس کو از سر نو تعمیر کرنے کا تہیا کیا۔ کام ان کی زندگی میں شروع ہو گیا اور ان کے بعد ان کے فرزند شاہ حسین اور شاہ احمد نے اس عمارت کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا (مجالس اللطف بارض الطف ص ۱۴)

لیکن مرجان کا بنایا ہوا منارہ ۱۳۵۴ھ میں ازراہ ظلم گرا دیا گیا کیونکہ مرجان نے جو جائداد اس منارہ کے لیے وقف کر دی تھی اس پر قبضہ کرنے کی یہی تدبیر تھی کہ منارہ ہی کو ختم کر دیا جائے۔

پانچواں باب

پہلی فصل

روضہ حسینی کا انہدام و تخریب

اس کی تباہی بربادی — آتش زنی اور تاراجی

ظالم و جابر حکام و سلاطین روضہ حسینی کو ہر دور میں تباہ و برباد کرتے رہے۔ آئے دن انھوں نے اس روضہ کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا روضہ کی عمارت کو منہدم بھی کیا اور جو کچھ مال و اسباب ہاتھ لگا اسے لوٹ لیا۔ جس طرح غیرت دار مسلمانوں کی طرف سے ہر تاراجی و بربادی کے بعد پہلے سے بھی زیادہ اہتمام سے اس روضہ کی تعمیر اور

آباد کاری ہوتی رہی اور حضرت سید سجادؑ کے اس ارشاد کی صداقت ظاہر ہوتی رہی کہ

"اس سرزمین کربلا پر قبر سیّد الشہداءؑ کو منارہ ہدایت بنایا جائیگا جس کے نشانات ہمیشہ باقی رہیں گے اور صدیاں گزرتی رہیں گی مگر اس کے فیوض و برکات ہمیشہ جاری رہیں گے۔ ائمہ کفر اور پیروان ضلالت اپنی تمام توانائیاں اس کو مٹانے اور خاک میں ملانے پر صرف کر ڈالیں گے لیکن اس کے اثرات روز افزوں ترقی ہی پر رہیں گے اور اسے برابر عظمت و سربلندی ہی نصیب ہوتی رہے گی (التحسین علی جلال الحسینؑ جلد ۲ ص ۲۰۳ مطبوعہ مصر)

جن لوگوں نے روضہ حسینیؑ کے انہدام اور بربادی و تاراجی اور اس کے آثار و نشانات مٹانے یا اس کی منزلت گھٹانے اس کی حرمت لوٹنے میں براہ راست یا بالواسطہ حصہ لیا وہ دو طرح کے تھے ایک ائمہ کفر جو خلیفۃ المسلمین کا لقب اختیار کرکے مسلمانوں کی گردنوں پر مسلط تھے دوسرے پیروان ضلالت اور ان کے حوالی موالی ارباب اقتدار جو خلیفۃ المسلمین بنے ہوئے تھے وہی ائمہ کفر تھے اور ان کے کارپرداز جو ان کے احکام کو عملی جامہ پہناتے تھے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم پیروان ضلالت اور ان کے حوالی موالی تھے۔

قبر مطہر کو پہلی ہی صدی سے کئی کئی طرح کے دن دیکھنا پڑے

ان دنوں میں ائمہ کفر اور ان کے پیروؤں نے فرزند رسول کی قبر کو منہدم کرنے اور حائر حسینی کے آثار اور عزت و حرمت کو برباد کرنے کی امکانی کوششیں کیں مگر جب بھی انھوں نے ایسا کیا روضہ حسینی کی سربلندی اور بڑھی اور پہلے سے بھی زیادہ لوگوں کے دل اس کی طرف کھنچنے لگے۔

امام مظلوم کی شہادت کے بعد بنی امیہ کی حکومت کے خاتمہ تک جتنے دن گزرے غالباً یہی دن حائر حسینی کے لیے زیادہ سکون و اطمینان کے گزرے اس لیے کہ بنی امیہ نے امام مظلوم پر جو ظلم و ستم کیے تھے غالباً انھوں نے اسی کو بہت سمجھا اور مزید آفتیں ڈھانے کی انھیں جرأت نہیں ہوئی اسی وجہ سے عبد الملک بن مروان نے اپنے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی ہلاکوئے زمانہ کو یہ تاکیدی خط لکھا تھا۔

"اولاد ابی طالب کے جتنے خون بہہ چکے ہیں وہی کافی ہے میں دیکھتا ہوں کہ جب سے اولاد ابی سفیان نے ان کا خون بہایا ہے موت اُن سے مانوس ہو گئی ہے۔"

اسی وجہ سے حجاج نے اہل بیت سے بہت کم تعرض کیا۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے نہیں بلکہ اس ڈر سے کہ کہیں حکومت خاک میں نہ مل جائے انھیں وجوہ سے بنی امیہ نے قبر مطہر سے ویسا تعرض نہیں کیا جیسا کہ ان کے بعد بنی عباس نے کیا البتہ بنی امیہ نے یہ ضرور کیا کہ قبر مطہر کے اردگرد فوجی چوکیاں قائم کر دیں جہاں کمیں کانٹے سے لیس سپاہی ہر وقت تیار رہتے اور کسی زائر کو قبر مطہر کے پاس آنے جانے نہیں دیتے اور جو

آجاتا اُسے قتل کر ڈالتے پھانسی پر چڑھا دیتے ہاتھ پیر کاٹ ڈالتے اور سخت سے سخت ایذائیں پہونچاتے لیکن جیسے ہی بنی امیہ کی حکومت ختم ہوئی بنی عباس حکومت و اقتدار کے مالک ہوئے انھوں نے آئے دن حائر مقدس پر چھاپے مارے، قبر کو منہدم اور اس کے آثار کو نیست و نابود کرنے کا عام دستور بنالیا انھیں نے سب سے پہلے یہ بدعت جاری کی۔

حائر مقدس کی پہلی بربادی

منصور کے شروع زمانۂ حکومت میں

عباسیوں میں سب سے پہلے جس شخص نے اس بدعت کو جاری کیا؟ منصور دوانیقی ہے وہی ظلم کا بانی اور حائرہ و قبر مطہر منہدم کرنے والوں کا باوا آدم ہے۔ جب بنی عباس کا اقتدار قائم اور اُن کی حکومت پوری طرح مضبوط ہو گئی اور بنی اُمیہ کو چُن چُن کر ختم کر کے انھوں نے داخلی شورشوں پر قابو پالیا تو اب کھل کر انھوں نے آل ابی طالب کے ساتھ دشمنی و عناد کا برتاؤ کرنا شروع کیا جو سفاح کے زمانہ تک ڈھکا چھپا رہا مگر منصور کے تخت حکومت پر بیٹھتے ہی بڑی شدت سے منظر عام پر آ گیا۔ اس نے امام حسنؑ کی اولاد میں جتنے سربرآوردہ اور ہونہار افراد تھے سبھی کو ایک ایک کر کے ختم کیا۔ صرف اس بیعت سے نجات حاصل کرنے کے لیے جو کچھ دنوں پہلے وہ محمد نفس زکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کے ہاتھ پر

کر چکا تھا پھر اس کی عداوت و دشمنی زندوں سے گزر کر مرنے والوں تک جا پہونچی۔ علویوں سے اس کی قلبی عداوت اور ان کا نام و نشان مٹا دینے کی تمنا نے اسے آمادہ کیا کہ قبر حسینی پر بھی دست درازی کرے اس کے طرز عمل نے بعد کے آنے والوں کے لیے بھی راہ کھول دی اور جو بھی تخت پر بیٹھا اس نے علویوں کو ختم کرنے کے ساتھ ساتھ قبر حسینی کو منہدم کرنے کی بھی پوری کوشش کی۔

منصور کا ظلم و ستم اس حد تک بڑھا شریعت اسلامیہ کی اس نے کچھ اس طرح دھجیاں اڑائیں کہ اس کے زمانہ کے بڑے بڑے علماء اور مرجع خلائق بزرگوں نے اس کی سخت و شدید مخالفت کی مذاہب اربعہ کے دو اماموں نے جو منصور کے زمانہ میں گزرے یعنی امام ابو حنیفہ اور امام مالک انھوں نے اہل مدینہ کو یہ فتویٰ دیا کہ منصور نے جو اپنی بیعت لی ہے یہ ناجائز بیعت ہے کیونکہ یہ زور و زبردستی سے لی گئی ہے خوشی خاطر نہیں۔ امام ابو حنیفہ نے تو اس سے بڑھ کر یہ کیا کہ انھوں نے پوری جرأت و ہمت کے ساتھ کھلم کھلا یہ فتویٰ صادر کیا کہ منصور اور اس جیسے دوسرے لوگ اگر مسجد بنانا چاہیں اور مزدور و کاریگر ڈھونڈیں تو کسی کو ان کی مزدوری کرنا جائز نہیں اس لیے کہ یہ لوگ فاسق ہیں اور فاسق امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ امام حنیفہ کا یہ حکم اکثر مفسرین کے نزدیک قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے۔ خداوند عالم نے جناب ابراہیم سے کہا تھا انی جاعلک للناس اماما میں تمھیں لوگوں

کا امام بنانے والا ہوں۔ ابراہیم نے سوال کیا ومن ذریتی اور میری ذریت سے ارشاد الٰہی ہوا لا ینال عہدی الظالمین۔ ظالمین میرے عہد کو نہیں پا سکتے:۔

منصور کو بھی ابو حنیفہ کے اس فتویٰ کا علم ہو گیا اس نے ابو حنیفہ کو گرفتار کر کے قید خانہ میں ڈالدیا اور قید خانہ ہی میں وہ مرے ابو حنیفہ نے اسی فتویٰ کی بناء پر قید خانہ کی سختیاں برداشت کیں اسی چیز نے شیعوں کے دل میں ان کی محبت اور ان کے لیے نرم و خوشگوار جذبات پیدا کر دیئے جیسا کہ مجلسیؒ نے اپنی کتاب تذکرۃ الائمہ ص ۱۲۰ پر ذکر کیا ہے دیکھئے حالات امام جعفر صادقؑ در کتاب The Shia

(Religious By. D. M. Donaldson 1933

مالک ابن انس کے متعلق منصور نے اپنے عامل مدینہ جعفر بن سلیمان کو حکم بھیجا کہ امام مالک کو ستر کوڑے مارے جائیں پھر پچھتانے لگا اس کے دل میں آیا کہ اس نے عامل کی اس حرکت کو ناپسند کیا اور امام مالک سے معذرت کی (الامامۃ والسیاسۃ ابن قتیبہ جلد ۲ ص ۱۶۲ مطبوعہ مصر)

دوسری فصل

حائرِ حسینی کی دوسری بربادی

سنہ ۱۹۳ھ میں بزمانۂ ہارون رشید

منصور کے بعد ہارون رشید نے اپنے آخری زمانۂ خلافت میں حائرِ حسینی کی عمارت کو منہدم کیا۔ قبرِ حسینی کھود کر زمین کے برابر کر دی گئی حتیٰ کہ بیر کا وہ درخت بھی جڑ سے کٹوا دیا جو قبرِ مبارک کے پاس لگا تھا تاکہ قبر کے تمام نشانات مٹ جائیں۔ حالانکہ شروع زمانۂ خلافت میں اس کی روش بڑی متوازن رہی۔ نرمی و مہربانی قریبی رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور آلِ ابوطالب کے ساتھ عزیزانہ برتاؤ اس کا بعینہٖ ویسا ہی رہا جیسا کہ اس کے باپ مہدی کا رہا تھا لیکن جلد ہی اس کی روش میں تبدیلی آ گئی۔ علویین کی مخالفت پر اس نے کمر باندھ لی۔ امام موسیٰ کاظم کو اسیر کر کے اس نے قید خانہ میں ڈال دیا حتیٰ کہ قید خانہ ہی میں آپ کی رحلت بھی ہوئی۔ مدینہ میں جو سادات علویین مقیم تھے ہارون نے اپنے دادا منصور کی تقلید کرتے ہوئے ان کا جینا دوبھر کر دیا۔ یحییٰ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو خود اپنے ہاتھ سے امان نامہ لکھ کر دیا تھا جبکہ انھوں نے بلاد دیلم میں حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تھا مگر بعد میں اس نے اس

امان کو اور عہد و پیمان کو اپنے ہی ہاتھوں سے چاک کر دیا انھیں قید خانہ میں ڈال دیا اور بعد میں خفیہ تدبیروں سے ان کو ہلاک بھی کر دیا۔ جعفر بن یحیٰی برمکی جو اس کا انتہائی محبوب وزیر تھا اس کو انتہائی بے دردی سے قتل کیا اور اس کے ساتھ اس کے پورے خاندان برامکہ کو کچل ڈالا۔

خلیفہ ہونے کے سترہ برس بعد تک قبر حسینؑ کے متعلق اس کے منصوبے اور ارادے ڈھکے چھپے رہے۔ ۱۷۰ھ سے ۱۸۷ھ تک کچھ ظاہری رکاوٹوں کے سبب اُسے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کا موقع نہیں ملا لیکن بعد میں وہ اپنے اوپر قابو نہیں رکھ سکا۔ علویوں کی عداوت و دشمنی سے اب اس کا سینہ تنگی کرنے لگا تھا۔ عوام الناس کے دلوں میں ان کی روز افزوں مقبولیت اور عظمت و جلالت دیکھ کر وہ انگاروں پر لوٹا کرتا پھر بے پناہ تعداد میں ہر وقت زائرین کا حرم حسینیؑ کی زیارت کو جانا قبر حسینیؑ کے اژدھام نے اس کی آتش غضب کو اور بھی بھڑکا دیا اپنی آخری زندگی میں اس نے کربلائے معلٰے اور حرم حسینیؑ کا جو بہترین انتظام و انصرام تھا حجاب اور روضہ کے ملازمین روضہ کی جو غیر معمولی تعظیم و تقدیس کرتے اور دیکھ بھال میں جی جان لڑائے رہتے اسکو دیکھ کر وہ ۔ اور بھی آپے سے باہر ہو گیا اس نے روضے کے خادم ابن ابی داؤدؒ کو فوراً حاضر کیے جانے کا حکم دیا جب ابن داؤدؒ اس کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے انتہائی غیظ و غضب میں اس سے پوچھا۔

حائر حسینیؑ میں کس کے حکم سے تم رہتے ہو؟

ابن ابی داؤد نے کہا حسن بن راشد[1] نے مجھے وہاں متعین کر رکھا ہے ہارون نے غصہ میں سر کو جھٹکا اور کہا ابھی حسن کو میرے پاس بلا لاؤ۔ حسن بن راشد کے آنے پر ہارون نے پوچھا "تم نے اس شخص کو حرم کی خدمت پر کیوں مامور کر رکھا ہے؟"

حسن نے کہا خدا اس پر رحمتیں نازل کرے جس نے اسے مامور کیا ہے مجھے مادر موسیٰ نے حکم دیا تھا کہ اس شخص کو وہاں مقرر کروں اور ہر مہینہ ۳۰ درہم اسے شاہرہ بھی دیا کروں (مادر موسیٰ یعنی مہدی کی ماں ہارون کی دادی) ہارون خاموش ہو گیا کوئی جواب بن نہ پڑا پھر اس نے کہا اچھا اسے پھر وہیں بھیجدو اور مادر موسیٰ نے اس کی جو تنخواہ مقرر کر رکھی ہے اسے ہر ماہ دی جاتی رہے (تاریخ طبری جلد ۱۰ ص ۱۸)

اس موقع پر تو ہارون رشید نے ابن ابی داؤد سے چشم پوشی کی اور بظاہر وہ تمام باتیں باقی رکھیں جو مادر موسیٰ خلیفہ مہدی کی ماں کے زمانہ سے چلی آرہی تھیں لیکن بعد میں جو واقعات پیش آئے وہ ثابت کرتے ہیں کہ اسی وقت ہارون رشید نے انتہائی ہولناک و خطرناک قدم اٹھانے کا عزم مصمم کر لیا تھا چنانچہ اس کے سینہ میں بھڑکتی ہوئی آتش بغض و عناد نے اسے مجبور کیا کہ کربلائے معلیٰ کو جڑ و بنیاد سے اکھاڑ پھینکے اور ان تمام مکانات کو بھی گرا کر زمین کے برابر کر دے جو حرم کے اردگرد تھے بیر کا

---

[1] یہ حسن بن راشد اکابر شیعہ اور امام جعفر صادق ع کے شاگردوں میں تھے۔

درخت کٹوا ڈالا جائے اور سرزمین حائر پر ہل چلوا دیا جائے تاکہ قبر مطہر کا ایک ایک نشان مٹ جائے جیسا کہ اکثر مورخین و محدثین نے بیان کیا ہے۔ طوسیؒ امالی میں بسلسلۂ اسناد یحییٰ بن مغیرہ رازی سے روایت کرتے ہیں یحییٰ بیان کرتا ہے

"میں جریر بن عبد الحمید کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص عراق کا رہنے والا وہاں پہونچا جریر نے لوگوں کا حال چال پوچھا اس شخص نے کہا میں نے ہارون رشید کو اس حال میں چھوڑا کہ اس نے قبر حسینؑ کو کھود ڈالا ہے۔ بیر کا درخت جو قبر مبارک کے پاس تھا وہ بھی کاٹ دیا گیا ہے۔ جریر نے ہاتھ اٹھا کر کہا اللہ اکبر اس کے بارے میں رسول اللہؐ کی حدیث ہم تک پہونچ چکی ہے آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا تھا خداوند عالم بیر کا درخت کاٹنے والے پر لعنت فرمائے۔ یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا ہم اس حدیث کا مطلب نہیں سمجھے تھے آج مطلب واضح ہوا۔ بیر کا درخت کاٹنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حسینؑ کی جائے شہادت کا لوگوں کو پتہ نہ چلے کسی کو معلوم نہ ہو کہ حسینؑ کی قبر کہاں ہے" (امالی شیخ طوسیؒ ص ۲۰۶ طبع ایران)

سید محمد ابن ابی طالب نے بھی اپنی کتاب تسلیۃ المجالس میں اسی مضمون کی عبارت لکھی ہے وہ لکھتے ہیں:-

"امام حسینؑ کی قبر پر ایک مسجد بنائی گئی تھی وہ مسجد بنی اُمیہ کے عہد تک رہی بنی عباس کے زمانہ میں بھی ایک عرصہ تک تھی ہارون

رشید نے اپنے زمانہ میں اُسے کھنڈر بنا دیا، بیری کا وہ درخت کٹوا دیا جو قبر حسینی کے پاس تھا اور قبر کی جگہ کو زمین کے برابر کر دیا (مناقب شہر بن آشوب جلد ۲ ص ۹۹)

ہارون نے سادات علویین اور حرم حسینی پر جو ہولناک اور لرزہ خیز مظالم ڈھائے اس کی تصدیق علامہ طقطقی کی عبارت سے بھی ہوتی ہے وہ اپنی کتاب الفخری ص ۱۷ پر لکھتے ہیں :

"ہارون رشید اللہ سے قطعی نہیں ڈرتا تھا سادات علویین پر بے جرم وخطا اس نے جو ہولناک مظالم کیے درانحالیکہ وہ فاطمہ دختر پیغمبر کی اولاد تھے ثبوت ہیں کہ اسے اللہ کا قطعی ڈر نہیں تھا۔"

علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۹۴، ۲۹۵ پر پوری تفصیلات درج کی ہیں کہ ہارون رشید نے کیونکر اور کیسے قبر حسین کو منہدم کیا وہ زمین کھدوا ڈالی اور موسیٰ بن عیسیٰ بن موسیٰ عباسی گورنر کوفہ کے ذریعہ وہاں کے تمام نشانات مٹا دیے۔

حرم حسینی کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ہارون خود بھی زیادہ دن جی نہیں سکا وہ بغداد سے رے پہونچا، وہاں سے خراسان گیا، راستہ میں بیماری نے آ دبوچا اس کے معالج جبرئیل بن بختیشوع نے غلط سلط دوائیں دیدیں جس سے اسکی بیماری اور بڑھ گئی۔ رشید کو اس کا احساس ہو گیا اور اس نے طے کر لیا کہ صبح سویرے ہی بختیشوع کے اعضائے بدن ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا مگر صبح دیکھنی اسے نصیب نہیں ہوئی اسی رات میں اس کا انتقال ہو گیا طبیعت زیادہ خراب ہو جانے پر ہارون نے اس وقت بختیشوع کو بلا بھیجا۔ بختیشوع نے ایک رات کی

مہلت مانگی اور کہا حضور! کل صبح تک آپ ضرور بھلے چنگے ہو جائیں گے اسی رات بختیشوع بھاگ نکلا اور صبح ہوتے ہوتے ہارون کا قصہ پاک ہو گیا۔ یہ واقعہ بروز جمادی الثانی ۱۹۳ھ کا ہے مرنے کے بعد اس جگہ دفن ہوا جس جگہ دس برس بعد امام رضاؑ دفن کیے گئے۔ مامون نے امام رضاؑ کو زہر دغا سے شہید کر کے اسی جگہ دفن کیا جہاں دس برس پہلے اس کا باپ ہارون دفن ہو چکا تھا غرض یہ تھی کہ امام رضاؑ کی ہمسائیگی سے میرے باپ کو بھی وہ عظیم شرف حاصل ہو جو ابو بکر و عمر کو جوار رسول میں دفن ہونے پر نصیب ہوا۔

علامہ عباس محمود العقاد نے اس موقع پر کیا اچھا فقرہ لکھا ہے وہ ہارون رشید کی روح کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

"غالباً بنی عباس کو یہ اندیشہ تھا کہ کہیں پیروان علیؑ تیری قبر کو کھود نہ ڈالیں اس لیے اسی جگہ امام رضاؑ دفن کیے گئے تا کہ ان کے طفیل تیری میت بے حرمتی اور تیری قبر کھدنے سے محفوظ رہے۔ دنیا کی کتنی بوالعجبی اور نیرنگی ہے کہ اولاد علی تیری طویل و عریض حکومت میں پناہ ڈھونڈتے پھریں اور ان پر تیری مملکت کی سرزمین تنگ ہو جائے اور تیرے حوالی موالی مرنے کے بعد تیرے جسد خاکی کے محفوظ رہنے کے لیے جائے پناہ ڈھونڈتے پھریں اور انھیں کوئی جگہ نہ ملے سوا ایسے بزرگوں کی قبروں کے جنھیں تیری مملکت میں جان بچانے کی جگہ نہیں ملتی تھی (رسالہ الہلال مصر ماہ اکتوبر ۱۹۴۷ء ص ۳۵ استاذ عقاد کا مضمون حدیث مع ہارون رشید)

آج کل کے ارباب قلم اور مورخین اس حقیقت پر دھیان نہ دیں مگر خود ہارون رشید کے زمانہ کے لوگوں نے اس حقیقت کا احساس ہی نہیں بلکہ

واشگاف طریقہ پر اعلان بھی کیا تھا چنانچہ دعبل خزاعی مشہور معروف شاعر ہارون اور امام رضاؑ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

قبران فی طوس خیر الناس کلھم
وقبر شرھم ھذا من العبر

طوس میں دو قبریں ہیں ایک اس شخص کی جو تمام خلائق سے بہتر و افضل تھا دوسرے اس شخص کی جو بدترین خلائق تھا یہ بات بڑی عبرت کی ہے۔

ما ینفع الرجس من قرب الزکی
وما علی الزکی بقرب الرجس من ضرر

گندہ و ناپاک کو پاک و پاکیزہ کی نزدیکی سے کوئی فائدہ نہیں اور پاک و پاکیزہ کو گندہ و ناپاک کی نزدیکی سے کوئی نقصان نہیں۔

ھیھات کل امری رھن بما کسبت
لہ یداہ فخذ ما شئت او فذر

ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا اسیر ہے (عیون اخبار الرضا ص ۲۶۰)

تیسری فصل

روضہ حسینی کی تباہی و بربادی متوکل کے ہاتھوں

سنہ ۲۳۳ھ، سنہ ۲۳۶ھ اور سنہ ۲۴۷ھ میں

حائر مقدس کو ہارون رشید کے ہاتھوں تباہ و برباد اور شکست و ریخت ہوئے ۴۰ برس سے زیادہ کا عرصہ نہ گزرا ہوگا کہ اس کے پوتے متوکل کا زمانہ آیا اور حائر حسینی کو پھر انھیں بربادیوں کا سامنا کرنا پڑا اس نے اپنے پندرہ سالہ

حکومت میں ہم مرتبہ مختلف اوقات میں روضہ کو منہدم کیا، زمین تک کھدوا ڈالی اور اپنے اسلاف منصور اور رشید کی تاسی میں قبر کا نشان تک مٹا ڈالا۔

متوکل کو عرب کا نیرو کہا جائے تو غلط نہ ہو گا اس نے شقاوت و درندگی کی انتہا کر دی تھی اسی کے زمانہ سے اسلامی شہنشاہیت کو گھن لگنا شروع ہو گیا تھا اور حکومت کے رگ و ریشہ میں فساد سرایت کر گیا جبکہ متوکل دن رات عیش و عشرت شراب و کباب رندی و اوباشی میں غرق رہتا ہر وقت شراب کے نشہ میں بدمست رہتا اس کے زمانہ میں رعایا کا کوئی طبقہ ایسا نہیں رہا ہو گا جسے سکون و اطمینان نصیب ہو سرکاری ملازمین جتنے دانشور اور کام کے آدمی تھے ایک ایک کو نکال باہر کیے گئے معتزلہ کے تمام نمودار افراد کو قید خانوں میں ٹھونس دیا گیا ان کا مال و دولت اور جائدادیں ضبط کر لی گئیں علی ابن ابی طالب اور ان کے اہلبیت کی دشمنی و عداوت اس حد کو پہونچی کہ اس نے کربلائے معلیٰ کو منہدم کر دیا وہاں پر ہل چلوا دیا اور نہر کا ٹکر اس زمین کو غرقاب کرنے کی کوشش کی اسی طرح لوگوں کو وہاں کی زیارت بجالانے سے سختی سے روکا دھمکی دی کہ جو حکم کی نافرمانی کرے گا اسے سخت سے سخت سزائیں دی جائیں گی علویین سے فدک چھین کر سرکاری جائداد قرار دیدیا (تاریخ عرب سید امیر علی ص ۲۴۷ مطبوعہ مصر)

ابو الفرج اصفہانی اپنی کتاب مقاتل الطالبین میں لکھتا ہے:-

"متوکل اولاد ابی طالب کا شدید دشمن ان کی جماعت کا سخت ترین مخالف تھا ان کے خلاف انتہائی کینہ و عناد و غیظ و غضب اور حد سے زیادہ بدگمانیاں رکھتا۔ اتفاق یہ کہ اس کو وزیر بھی ایسا ہی ملا

جو خود بھی سادات کا ازلی دشمن تھا یعنی فتح بن خاقان سادات کے ساتھ ہر بدسلوکی اور ان کی ہر ایذا رسانی کو وہ جی کھول کر سراہتا اور متوکل کو مزید ترغیب و تحریص دلاتا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متوکل کے عہد میں سادات کی وہ درگت ہوئی جو اس سے پہلے کسی عباسی خلیفہ کے زمانہ میں نہیں ہوئی تھی منجملہ اس کی شقاوت و درندگی کے قبر حسینؑ کا انہدام اور اس کے نشانات کو خاک میں ملانا بھی تھا اس نے آنے والے زائرین کے تمام راستوں پر مسلح فوجیں تعینات کر دی تھیں جس زائر کو یہ لوگ پکڑ لیتے۔ متوکل کے پاس گرفتار کر کے لیجاتے۔ متوکل یا تو اس زائر کو قتل کر ڈالتا یا انتہائی ہولناک سزا دیتا (مقاتل الطالبین طبع ایران ص ۲۰۳ و ۲۰۴)

دیگر مورخین بھی متوکل کی بداعمالیوں پر اپنی برہمی و ناراضی ظاہر کرنے میں پیچھے نہیں رہے۔ علامہ طبری و ابن کثیر لکھتے ہیں :۔

"متوکل علی اور ان کے اہلبیت سے شدید ترین بغض رکھتا تھا جس کسی کے متعلق اُسے معلوم ہو جاتا کہ وہ علی اور ان کے اہلبیت کو دوست رکھتا ہے اس کا مال و اسباب بھی لوٹ لیتا اور جان بھی لے لیتا (طبری و تاریخ کامل حالات ۲۳۶ھ)

اسی طرح علامہ ابو الفداء نے بھی اپنی تاریخ میں ۲۳۶ھ کے واقعات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :۔

"متوکل علی اور ان کے اہلبیت سے شدید ترین بغض رکھنے والا تھا"

(تاریخ ابو الفداء جلد ۲ واقعات ۲۳۶ھ)

اسی شدید بغض و عداوت نے اُسے آمادہ کیا کہ قبر حسین کو بھی اپنی چیرہ دستیوں کا نشانہ بنائے چنانچہ اس نے حکم صادر کیا کہ روضہ حسینی کو منہدم کر دیا جائے وہاں کی زمین کھود ڈالی جائے اور ہل چلا کر وہاں کھیتی کی جائے اپنے زمانہ حکومت میں ۲۳۳ھ سے ۲۴۷ھ تک اس نے چار مرتبہ ایسا ہی کیا۔

متوکل کے ہاتھوں روضۂ حسینی کی پہلی بربادی

ماہ شعبان ۲۳۳ھ میں

اس کا سبب ابو الفرج اصفہانی مقاتل الطالبین میں یہ لکھتا ہو کہ:

"متوکل ابھی خلیفہ نہیں ہوا تھا اس وقت کوئی شاطہ اور ناکہ اپنی کنیزوں کو متوکل کے پاس بھیجا کرتی کہ جب وہ شراب پئے تو وہ گا نا گا کر اس کے سرور کو دوبالا کریں۔ خلیفہ ہونے پر اس نے ناکہ کے پاس آدمی بھیجا معلوم ہوا کہ وہ کہیں باہر گئی ہوئی ہے وہ ناکہ امام حسین کی زیارت کو گئی ہوئی تھی جیسے ہی اسے معلوم ہوا کہ متوکل کا آدمی بلانے آیا تھا فوراً واپس ہوئی اور اپنی کنیزوں سے اس کنیز کو متوکل کے پاس بھیجا جسے متوکل بہت پسند کیا کرتا۔ متوکل نے اس سے پوچھا تم سب کہاں چلی گئی تھیں اس نے بتایا کہ میری مالکن حج کو گئی تھی اور ہم لوگ بھی اس کے ساتھ گئے تھے وہ مہینہ شعبان کا تھا متوکل نے پوچھا یہ شعبان میں کیسا حج؟ کنیز نے بتایا کہ ہم لوگ قبر حسینی کی زیارت کو گئے تھے متوکل غصہ میں دیوانہ

ہو گیا اس نے فوراً ہی نالکہ کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا اس کا سارا مال و اسباب چھین لیا اور اپنے ایک خاص آدمی کو جس کا نام دیزج تھا جو سابقاً یہودی تھا پھر مسلمان ہو گیا تھا کربلا روانہ کیا اور تاکید کی کہ روضہ کو منہدم کرکے اردگرد کے جتنے مکانات ہیں سب کو کھنڈر بنا دو اور دیزج نے ایسا ہی کیا آس پاس کے سارے مکانات منہدم کرا دیے روضہ کی عمارت کھدوا ڈالی دو سو جریب کے قریب روضہ کے اردگرد کی زمین بھی کھدوا ڈالی صرف قبر رہ گئی اس کو توڑنے اور منہدم کرنے سے مزدوروں نے انکار کردیا وہ اپنے خاندان کے یہودیوں کو جا کر بلا لایا جنھوں نے قبر کو شکست و ریخت کردیا پھر قبر کے گرد پانی بہا دیا گیا، آدھے آدھے میل پر اس نے چوکیاں بنوائیں جس میں ہر وقت فوج کے آدمی مستعد کھڑے رہتے اور جس کسی زائر کو پاتے گرفتار کر کے متوکل کے پاس بھیجتے وہ اسے قتل کر ڈالتا یا سخت ترین سزائیں دیتا (مقاتل الطالبین ص ۲۰۳، ۲۰۴، شرح شافیہ ابو فراس ص ۲۰۷ طبع ایران)

ابو الفرج کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبر مبارک کا پہلا انہدام ماہ شعبان ۲۳۳ھ میں ہوا جو متوکل کی حکومت کا پہلا سال تھا مسلمان مزدوروں نے قبر مبارک کو منہدم کرنے کی جسارت نہیں کی دیزج جو اصلاً یہودی تھا، اپنی قوم کے یہودیوں کو بلایا اور یہودیوں ہی نے اس مرتبہ یہ کام انجام دیا دیزج نے متوکل کے حکم کے مطابق صرف قبر حسینی ہی کے انہدام پر اکتفا نہیں کی بلکہ قبر کے چاروں طرف جتنے مکانات بنے ہوئے تھے سبھی مسمار کر دیے یعنی کربلا کا پورا

شہر مسمار کیا گیا۔ اس نے کربلا کے چاروں طرف فوجی چوکیاں قائم کیں تاکہ زائرین کو قبر تک نہ پہونچنے دیا جائے اور یہ سارے وحشت انگیز اور لرزہ خیز مظالم متوکل نے محض اس وجہ سے کیے کہ وہ اپنی شراب نوشی اور عیش و طرب کے وقت میں چند لمحوں کے لیے گانے والی کے گانے سننے سے محروم رہا۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عباسیوں نے اپنے عیش و نشاط کی خاطر کیسے کیسے ...... ہولناک مظالم کیے ہوں گے۔ قرینہ بتاتا ہے کہ یہ انہدام ۲۳۳ھ میں ہوا متوکل کی حکومت کے پہلے سال کیونکہ کنیز متوکل کے پاس اس کی خلافت کے پہلے ہی سے آتی جاتی رہتی تھی۔ متوکل ۲ ذی الحجہ ۲۳۲ھ میں تخت نشین ہوا اس نے شعبان میں اس نائکہ کے پاس آدمی بھیجا اور وہ اس وقت غائب تھی سیاق حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اس کی حکومت کا پہلا شعبان رہا ہوگا۔

متوکل کے ہاتھوں ۲۳۶ھ میں قبر حسینی کا دوسرا انہدام

متوکل نے ۲۳۶ھ میں حائر مقدس پر دوسرا حملہ کیا اور حکم دیا کہ اسے پھر منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیا جائے۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ متوکل نے جب پہلی مرتبہ روضہ حسینی کو منہدم کیا تو جلد ہی یہ روضہ بن کر دوبارہ تیار ہو گیا اسی طرح اس کے ارد گرد کے مکانات بھی پہلے کی طرح بن گئے۔ مگر تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس مختصر مدت میں یعنی ۲۳۳ھ اور ۲۳۶ھ کے درمیان قبر مطہر کی تجدید کس کے ہاتھوں ہوئی۔ غالباً انہیں لوگوں نے یہ تعمیر کی ہوگی جنہوں نے کربلا میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

متوکل کے ہاتھوں ۲۳۶ھ میں کربلائے معلیٰ کے اس دوسرے انہدام کو بھی تقریباً تمام مورخین نے ذکر کیا ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ۲۳۲ھ والے انہدام سے بھی زیادہ ہولناک اور لرزہ خیز تھا کیونکہ اس کا ذکر تمام ہی کتابوں میں ملتا ہے اور کسی نے بھی اسے نظر انداز کرنے کی کوشش نہیں کی۔

طبری اور ابن اثیر نے ۲۳۶ھ کے واقعات کے سلسلہ میں لکھا ہے

"متوکل نے قبر حسینؑ منہدم کر دینے اور اس کے ارد گرد جو مکانات تھے انھیں مسمار کر ڈالنے کا حکم دیا نیز یہ کہ اس سرزمین پر ہل چلا دیا جائے نہر کاٹ کر لائی جائے اور لوگوں کو وہاں آنے سے ممانعت کر دی جائے چنانچہ ذکر کیا گیا ہے کہ اس علاقہ کے پولیس افسر نے منادی کرا دی کہ آج کے تیسرے دن جو شخص قبر حسین کے پاس پایا جائے گا قید خانہ میں ڈالدیا جائے گا تمام لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور قبر کے پاس جانے سے باز رہے۔ اس سرزمین پر ہل چلا دیا گیا اور ارد گرد کھیت بو دیئے گئے۔" (طبری و کامل حالات ۲۳۶ھ)

مسعودی نے مروج الذہب میں یہ عبارت لکھی ہے:۔

"۲۳۶ھ میں متوکل نے اپنے ملازم دیزج کو حکم دیا کہ کربلائے قبر حسینی کو منہدم کر دے زمین کو کھود ڈالے سارے نشانات مٹا دے اور جس کو بھی وہاں پائے سخت سزا دے دیزج نے بہت کچھ روپے پیسے ان لوگوں کو دینے کا اعلان کیا جو قبر کو منہدم کر دیں مگر ہر شخص خوف عقوبت سے پیچھے ہٹ گیا۔ دیزج نے کدال اپنے ہاتھ میں لیکر قبر کے

اوپری حصہ کو خود کھودنا شروع کیا پھر سارے مزدور بھی جٹ گئے۔"

(مروج الذہب للمسعودی جلد ۲ ص ۴۰۳، ۴۰۴)

ابن خلکان نے بھی مشہور شاعر البسامی کے اشعار

تاللہ ان کانت امیۃ قد اتت قتل ابن بنت نبیہا مظلوما

(خدا کی قسم اگر بنی امیہ نے اپنے نبی کے نواسہ کو مظلوم قتل کیا)

پر حاشیہ لکھتے ہوئے یہی سب کچھ لکھا ہے:۔ وہ لکھتے ہیں کہ

شاعر نے یہ اشعار اس وقت نظم کیے جب متوکل نے ۲۳۶ھ میں قبر حسینی کو منہدم کیا۔ یہ متوکل علی اور ان کے دونوں فرزند حسنؑ حسینؑ کا سخت ترین دشمن تھا اس نے یہ جگہ یعنی کربلا کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا اس کے اردگرد کے تمام مکانات منہدم کرا دیے اور حکم دیا کہ اس سرزمین پر تخم ریزی ہو قبر کو پانی میں غرق کر دیا جائے اور کوئی شخص اس کے پاس آنے نہ پائے۔"

(وفیات الاعیان لابن خلکان جلد ا ص ۴۵۵)

اسی قسم کی عبارت محمد بن شاکر بن احمد کتبی نے بھی فوات الوفیات میں لکھی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"متوکل نے ۲۳۶ھ میں حکم دیا کہ قبر حسین کو منہدم کر دیا جائے اور ارد گرد جو مکانات ہیں وہ بھی مسمار کر دیے جائیں اور اس سرزمین پر ہل چلا کر کھیتی ہو۔ اس نے لوگوں کو زیارت سے منع کر دیا اور کربلا ایک عرصہ تک صحرا بنا رہا۔ یہ متوکل بغض و عداوت علی میں بہت بدنام

تھا اس کی اس حرکت سے تمام مسلمانوں کو دُکھ ہوا۔ اہل بغداد نے دیواروں پر گالیاں لکھیں۔ شعراء نے اس کی ہجو میں اشعار کہے۔

(نزہۃ اہل الحرمین ص ۱۸ سید حسن صدر مطبوعہ)

علامہ ابی الفداء ۲۳۶ھ کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اسی سال متوکل نے حضرت امام حسینؑ کی قبر منہدم کرنے اور اردگرد کے مکانات کو مسمار کرنے کا حکم دیا۔ لوگوں کو وہاں آنے کی ممانعت کردی۔ یہ متوکل علی و اہلبیت سے شدید بغض رکھتا تھا۔

(تاریخ ابو الفداء ۲۳۶ھ کے واقعات)

ان متعدد مورخین کی شہادتوں سے یہ بات حد تواتر تک جا پہنچی ہے کہ متوکل نے ۲۳۶ھ میں دوسری مرتبہ قبر حسینی کو منہدم کیا۔

قبر حسینی کا متوکل کے ہاتھوں ۲۳۷ھ میں تیسرا انہدام

فرزند رسولؐ کی قبر کو دو مرتبہ منہدم کرنے کے بعد بھی متوکل کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا۔ اس نے ۲۳۷ھ میں پھر حملہ کیا۔ اس کا واقعہ یہ ہے کہ متوکل کو معلوم ہوا کہ اہل عراق سرزمین نینوا پر قبر حسینی کی زیارت کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں۔ قبر حسینی پر لوگوں کا اژدحام ہوتا ہے۔

اس تیسری مرتبہ قبر حسینی کے منہدم کیے جانے کو بھی اکثر و بیشتر علماء و محدثین نے ذکر کیا ہے۔ علامہ تاج الدین عبد الوھاب بن تقی الدین سبکی نے اپنی کتاب طبقات الشافعیہ جلد ا ص ۲۱۶ پر لکھا ہے۔ علامہ قرمانی نے

اپنی کتاب اخبار الاول میں بسلسلہ واقعات ۲۳۶ھ ذکر کیا ہے۔

قرمانی کی عبارت یہ ہے:

"متوکل نے حکم دیا کہ قبر حسینؑ کو منہدم کر دیا جائے اس کے ارد گرد کے مکانات مسمار کر دیے جائیں۔ اس سرزمین پر کھیتی کی جائے اس نے لوگوں کو زیارت سے روک دیا اس سرزمین پر ہل چلوایا اور ایک عرصہ تک یہ سرزمین صحرا کی صورت میں باقی رہی جس سے تمام مسلمانوں کو قلبی اذیت ہوئی اہل بغداد نے دیواروں اور مسجدوں میں اُسے گالیاں لکھیں دعبل اور دیگر شعرا نے ہجویں لکھیں منجملہ ان اشعار کے جو متوکل کے بارے میں کہے گئے یہ اشعار بھی ہیں

تاللہ ان کانت امیۃ قد اتت — قتل ابن بنت نبیھا مظلوما

فلقد اتاہ بنو ابیہ بمثلہ — ھذا لعمرک قبرہ مھدوما

اسفوا علی ان لا یکونوا شارکوا — فی قتلہ فتتبعوہ رمیما

اگر بنی امیہ نے نواسۂ پیغمبرؐ کو ظلم و ستم سے شہید کیا تو ان کے خاندانی رشتہ داروں نے بھی ویسا ہی ظلم کیا۔ یہ حسینؑ کی قبر منہدم کی ہوئی ہے۔ ان بنی عباس کو اس بات کا ملال ہے کہ وہ بھی حسینؑ کے قتل میں کیوں نہیں شریک ہوئے۔ یہ کمی انھوں نے حسینؑ کی ہڈیوں کو اپنا نشانہ ظلم بنا کر پورا کیا۔

متوکل کی یہ حرکت اتنی شرمناک اور قبیح تھی کہ پوری مملکت اسلامیہ میں نفرت اور بیزاری کی لہر دوڑ گئی جس نے سنا اس نے نفرت و بیزاری کا اظہار کیا اور متوکل اور اس کے کرتوتوں کی جی کھول کر مذمت کی۔

مشہور شاعر علی ابن عباس رومی نے جو ابن رومی کے نام سے مشہور تھا بنی عباس کی مذمت میں ایک طولانی قصیدہ ہی لکھ ڈالا جس میں آپ

بنی عباس پر لعن و طعن کی ہے اور علویوں کا مرثیہ کہا ہے اور متوکل کے قبر امام حسینؑ کھود ڈالنے کا ذکر کیا ہے اس قصیدہ کا مطلع ہے۔

امالک فانظر ای نھجیک تنہج   طریقان شتی مستقیم و اعوج

تمہارے سامنے دو مختلف راستے ہیں ایک سیدھا دوسرا کج دیکھو کہ تم کون سا راستہ اختیار کرتے ہو

آگے چل کر بنی عباس کو خطاب کر کے اور اہلبیت طاہرین کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

افی الحق ان یمسوا خماصا وانتم   یکاد اخوکم بطنه یتبعج

کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ اہلبیت گرسنہ شکم رہیں اور تم اتنا پیٹ بھرو کہ پیٹ پھول جائیں۔

ولیدهم بادی الطوی وولیدکم   من الریف ریان العظام خدلج

اہلبیت کے بچے کمزور و لاغر اور تمہارے بچے خوشحالی کے سبب مضبوط ہاتھ پیر کے تنومند ہوں

تذودونهم عن حوضهم و بلادهم   ولیشرع فیه ارتبیل و ابلج

تم لوگ اہلبیت کو اپنے ہتھکنڈوں سے کام لیکر انھیں ان کے حق سے محروم کرتے ہو اور ان کے دشمنوں کے گھر بھرا کرتے ہو۔

ولم تقنعوا حتی استثارت قبورهم   کلابکم منها بهیم و دیزج

تم لوگ اسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اس حد تک بڑھ گئے کہ تمہارے بہیم اور دیزج جیسے کتے ان کی قبریں کھود ڈالیں۔

ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ متوکل اس مرتبہ روضہ حسینی کو اس طرح تباہ و برباد نہیں کر سکا جیسا کہ اس سے پہلے اس نے کیا تھا ایک تو رائے عامہ خلاف ہو جانے کی وجہ سے دوسرے اس سخت و شدید ٹکراؤ کی وجہ سے جس کا اس کے فوجیوں کو باشندگان کربلا کی طرف سے سامنا کرنا پڑا جیسا کہ اکثر مورخین و محدثین نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ شیخ طوسیؒ نے امالی میں اپنے سلسلہ اسناد سے قاسم بن احمد بن معمر اسدی کوفی سے جو علمائے سیرت میں سے تھے روایت کی ہے کہ

"متوکل کو معلوم ہوا کہ عراق والے سرزمین نینوا پر امام حسین ؑ کی زیارت کے لیے اکٹھا ہوتے ہیں اور بے شمار لوگ قبر مبارک کی زیارت کو جاتے ہیں اس نے اپنے کسی افسر فوج کو ایک بہت بڑے رسالے کے ہمراہ روانہ کیا تاکہ قبر حسینی کو منہدم اور لوگوں کو وہاں سے بھگا دے اور کسی کو قبر کے پاس نہ آنے دے۔ وہ افسر کربلا کی طرف روانہ ہوا۔ یہ واقعہ سنہ ۲۳۷ھ کا ہے اس نے متوکل کے احکام کی تعمیل کی جس پر عراق والے بپھر گئے اور اس سے کہا ہم لوگ ایک ایک کرکے اپنی جان دیدیں گے مگر زیارت امام حسین ؑ سے باز نہ رہیں گے۔ اس افسر نے متوکل کو یہ صورت حال لکھ بھیجی متوکل نے حکم بھیجا کہ عراق والوں سے تعرض نہ کرو اور کوفہ کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ تمہاری روانگی کوفہ والوں ہی کے ضروریات کے تحت ہو رہی ہے پھر تم بغداد واپس آجاؤ۔ اس کے بعد سنہ ۲۴۷ھ تک کوئی خاص واقعہ رونما نہیں ہوا (امالی شیخ طوسی ص ۲۰۹ بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۹۶ تاریخ التواریخ جلد ۶ ص ۳۴۸ تظلم زہرا ص ۲۱۷، ۲۱۸ شرح شافیہ ص ۲۰۸ اعیان الشیعہ جلد ۴ ق ۱ ص ۲۸۷)

اس روایت سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے اور مسبکی و قرمانی کی روایت سے بھی کہ سنہ ۲۳۷ھ میں متوکل کے فوجی افسر نے اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے قبر حسینی کو مسمار کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سنہ ۲۳۶ھ میں جب متوکل نے قبر مبارک کو مسمار کیا تھا تو مسمار ہونے کے بعد روضہ حسینی پھر تعمیر ہو گیا تھا جبھی تو افسر فوج نے اسے مسمار کیا مگر یہ نہیں پتہ چلتا کہ سنہ ۲۳۶ھ میں مسمار کیے جانے کے بعد اتنی جلد وہ روضہ پھر کیسے تعمیر ہو گیا۔ غالباً کربلا کے باشندوں اور عراق کے لوگوں ہی نے باوجود متوکل کی سختی و تشدد کے تعمیر کیا ہوگا۔ اسی روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ باوجودیکہ متوکل زائرین کو سخت سے سخت سزائیں دیتا

فوجی چوکیاں قائم کر رکھی تھیں کہ کوئی قبر حسینی پر زیارت کو نہ آئے پھر بھی لوگ پروانہ وار ٹوٹ ٹوٹ کر قبر حسینی پر آتے اور قبر مبارک پر اژدھام ہو جاتا گیونکہ ظاہری بات ہے کہ لوگ خالی اور ویران زمین کی زیارت تو کرتے نہ ہوں گے لازمی طور پر بنی ہوئی قبر کی زیارت کرتے ہوں گے جو اس عرصہ میں از سر نو بنا دی گئی ہو گی۔

یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ قبر مبارک اور حائر حسینی کو بار بار منہدم کرنے میں حکومت کو جتنی کد تھی اتنا ہی اس کا رعب داب گھٹ گیا تھا اور دولت واقتدار میں کمی آ گئی تھی اور نوبت یہاں تک آ پہونچی کہ افسر فوج بہت بڑے رسالہ کے ساتھ آتا ہے مگر کربلا کے باشندے اور عراق سے آئے ہوئے زائرین اس سے ٹکر لینے پر تیار ہو جاتے ہیں اور افسر کے منھ پر کہہ دیتے ہیں کہ طاقت کا جواب ہم بھی طاقت سے دیں گے ایک ایک کر کے ختم ہو جائیں گے مگر زیارت سے باز نہ آئیں گے اور آخر کار وہ افسر فوج اپنے رسالہ سمیت کربلا سے رخصت ہو جاتا ہے پھر زید مجنون نے متوکل اور اس کے کالے کرتوتوں پر جو طعن و تشنیع کی بوچھار شروع کر رکھی تھی اس نے بھی متوکل پر بہت کچھ اثر کیا اور ایک عرصہ تک اس کی ہمت نہ ہوئی کہ قبر مبارک سے تعرض کرے۔

چوتھی مرتبہ متوکل کا ماہ شعبان ۲۳۶ھ میں روضہ حسینی کو منہدم کرنا

دس برس تک روضہ امام مظلوم متوکل کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہا۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ زید مجنون نے متوکل کے ہولناک و شرمناک کرتوتوں کا کچھ اس طرح ہمہ گیر پیمانہ پر چرچا کیا اور طعن و تشنیع کی اتنی بوچھار کی کہ عوام الناس میں ہیجان برپا ہو گیا اور متوکل مجبور ہو گیا کہ زید مجنون جس امر کے خواہاں ہیں

اس کو پورا کیا جائے۔

زیاد نے متوکل سے خواہش کی کہ روضہ حسینی کے تعمیر کی اجازت دیجائے اور کسی زائر سے تعرض نہ کیا جائے متوکل نے اس کا فرمان جاری کر دیا۔ زید اس کے پاس سے شاداں فرحاں نکلے اور شہر شہر گھوم پھر کر اعلان کیا کہ جو شخص بھی امام حسین کی زیارت کو جانا چاہے اس کو ہمیشہ کے لیے امان ہے اسی وجہ سے متوکل کی حکومت کے آخری دس برسوں میں حائر مقدس متوکل کی ستم رانیوں سے محفوظ رہا یہاں تک کہ ۲۴۷ھ میں پھر جو تھی اور آخری کام جو اس نے قبر مبارک کو منہدم کر ڈالا جس کی سزا اس کو فوراً مل گئی اور اس کے بیٹے منتصر نے ترک افسران فوج کی مدد سے اس کا کام تمام کر ڈالا اس کا سبب یہ ہوا کہ ۲۴۷ھ میں متوکل کو خبر ملی کہ کوفہ و بصرہ کے بے شمار باشندے قبر حسین کی زیارت کے لیے کربلا جاتے ہیں ان کی بہت بڑی جمعیت وہاں اکٹھا ہو گئی ہے بڑا بازار بھی قائم ہو گیا ہے اس نے ایک بہت بڑی فوج کے ہمراہ اپنے افسر فوج کو روانہ کیا اور منادی کرا دی کہ جو بھی قبر حسین کی زیارت کریگا حکومت اس کی جان و مال سے بری الذمہ ہے اس افسر فوج نے قبر مبارک کھود ڈالی زمین کربلا پر ہل چلوا دیا زیارت کے لیے لوگوں کا آنا بند ہو گیا پھر اس متوکل نے آل ابو طالب اور شیعیان امیر المومنین کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر قتل کرنا شروع کیا مگر اس کے منصوبے پورے نہ ہوئے (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۹۶ تسلیۃ المجالس شرح شافیہ ابی فراس ص ۲۰۸ ناسخ التواریخ جلد ۶ ص ۳۸۴ نزہۃ اہل الحرمین ص ۱۸ اعیان الشیعہ جلد ۴ ص ۲۸۷ تظلم زہرا ص ۲۱۸)

ناسخ التواریخ میں ۲۴۷ھ کی روئیداد ذرا تفصیل سے مذکور ہے۔ صاحب ناسخ التواریخ لکھتے ہیں:-

"متوکل کو پھر خبر ملی کہ مختلف اطراف و جوانب کے لوگ سرزمین نینوا پر بے شمار تعداد میں اکٹھا ہو رہے ہیں۔ مدفن حسینؑ کے گرداگرد اس طرح طواف کیا جاتا ہے جس طرح خانۂ خدا کا طواف ہوتا ہے قبر مطہر کے قریب بڑے بڑے بازار بھی بن گئے ہیں۔ یہ خبریں سن کر اس کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی اس نے بہت بڑا لشکر کربلا روانہ کیا تاکہ قبر مطہر مسمار کر دی جائے زمین پر ہل چلا کر کھیتی کی جائے اور اولاد ابی طالبؑ و شیعانِ علیؑ میں جو بھی ملے ان کو قتل کر ڈالا جائے لیکن اللہ تعالے نے اس کے شر کو دور کر دیا وہ اپنے ہی لڑکے منتصر کے ہاتھوں مارا گیا۔"

شیخ طوسیؒ نے بھی امالی میں عبداللہ بن رابیۃ الطوری کے حوالے سے اسی مضمون کی روایت لکھی ہے۔ عبداللہ بیان کرتا ہے کہ میں نے ٢٤٧ھ میں حج کیا۔ حج سے فارغ ہو کر میں عراق گیا بادشاہ سے ڈرتے ڈرتے میں نے قبر امیر المومنینؑ کی زیارت کی پھر میں کربلا کی طرف زیارت امام حسینؑ کے لیے روانہ ہوا وہاں پہونچ کر دیکھا کہ زمین پر ہل چلا دیا گیا ہے زمین کربلا پر پانی بھرا ہوا ہے۔ بیل ہل میں جتے ہوئے ہیں، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ان بیلوں کو زمین پر کھینچا جا رہا ہے اور وہ ہل کھینچے جا رہے ہیں مگر جیسے ہی قبر حسینی کے قریب پہونچتے ہیں دائیں بائیں مڑ جاتے ہیں انھیں ڈنڈوں سے پیٹا جاتا ہے لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور قبر مبارک پر کسی طرح ان کے قدم نہیں پڑنے پاتے مجھے زیارت کرنا ممکن نہ ہوا اور میں یہ اشعار پڑھتا ہوا بغداد واپس آ گیا کہ

تاللہ ان کانت امیۃ قد اتت — قتل ابن بنت نبیھا مظلوما

فلقد اتاک بنو ابیہ بمثلہ — ھذا لعمرک قبرہ مھدوما

اسفوا علی ان لا یکونوا شارکوا — فی قتلہ فتتبعوہ رمیما

جب میں بغداد پہونچا تو وہاں ہل چل سی دیکھی میں نے لوگوں سے پوچھا کہ واقعہ کیا ہے معلوم ہوا کہ متوکل مارا گیا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے دل میں کہا خداوندا جیسے کو تیسا (امالی شیخ طوسی ج۲ ص ۲۰۵ بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۹۶ ۲۹۷ تظلم زہرا اللاحنی القزوینی ص ۲۱۸)

متوکل کے بیٹے منتصر نے باپ کو قتل کرنا جائز سمجھا ترکی افسران فوج سے مل کر اس کا کام تمام کر دیا اور اس کا قتل ۳ شوال ۲۴۷ھ کو ہوا۔ روضۂ حسینی کے انہدام کے فوراً ہی بعد۔

اس زمانہ میں کربلا۔ روضۂ حسینی اور زائرین کے خوف و دہشت کا کیا عالم تھا اور متوکل کی شقاوت و درندگی سے لوگ کتنا ڈرے سہمے تھے۔ ابو الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبیین میں محمد بن حسین اشنانی کی زبانی تصویر کشی کی ہے۔

محمد بن حسین بیان کرتا ہے خوف و ہراس کی وجہ سے امام حسینؑ کی زیارت کو گئے کئی برس ہو گئے تھے پھر میں نے جان پر کھیل کر جانے کا ارادہ کر لیا۔ عطاروں میں سے ایک شخص میرا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گیا۔ ہم بقصد زیارت نکلے دن کو کہیں چھپ رہتے اور رات کو سفر کرتے یہاں تک کہ ہم لوگ غاضریہ کے نواح میں پہنچ گئے۔ آدھی رات کو ہم نکلے ہم نے قبر کی سمت کا پتہ چلانا شروع کیا یہاں تک کہ ہم قبر پر جا پہونچے دیکھا کہ قبر مبارک پر جو ضریح رکھی ہوئی تھی اس کو اکھاڑ کر جلا دیا گیا ہے پانی کا رخ وہاں لایا گیا ہے جس کی وجہ سے زمین دھنس گئی ہے اور خندق جیسی بن گئی ہے۔ ہم اس جگہ پر جھک پڑے ایسی خوشبو اس جگہ سونگھی جیسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی تھی اپنے ساتھ کے عطار سے پوچھا یہ کیسی خوشبو ہے عطار نے کہا خدا کی قسم ایسا عطر میں نے آج تک نہیں سونگھا۔ ہم قبر مبارک سے رخصت ہوتے قبر کے ارد گرد کچھ نشانیاں بنا دیں جب متوکل مارا گیا تو ہم اولاد ابی طالب

اور شیعوں کے ساتھ مل کر پھر اس جگہ پہنچے اور روضہ مبارک کو پھر پہلے جیسا کر دیا (مقاتل الطالبین ص ۲۰۴)

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اہلبیت کے جاں نثار جب بھی قبر مبارک منہدم کر دی گئی انھوں نے فوراً ہی دوبارہ قبر بنادی اور عمارتیں کھڑی کر دیں اس پُر آشوب زمانہ میں جتنا بھی انھیں موقع ملا۔

یہی وجہ تھی کہ حائر مقدس متوکل کے زمانہ حکومت میں اس کے بار بار کے حملوں کے باوجود کبھی بھی زیادہ دن تک خراب و کھنڈر نہیں رہا نہ ایک لمحہ کے لیے بھی زائرین کے آنے کا سلسلہ بند ہوا۔ قبر مطہر کی جگہ جیسا کہ روایت بتاتی ہے جانی پہچانی رہی۔ زائرین برابر قبر کے پاس ان علامات اور نشانیوں کی وجہ سے پہنچتے رہے جو زائرین مخفی طور پر قبر کے اردگرد بنا جاتے تھے۔

انھیں مخلص فدائیوں اور اہل بیت طاہرین کی مساعی جمیلہ کی بدولت قبر مبارک ہمیشہ زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رہی۔ لاکھوں انقلابات آئے مگر آج تک قبر مطہر اپنی جگہ پر باقی ہے مزید برآں زائرین امام اس خاک کو بخوبی پہچانتے تھے جس میں امام مظلوم مدفون تھے اس خاک سے ایسی خوشبو آتی کہ قبر کی جگہ اور دوسری جگہ میں آسانی سے تمیز ہو جاتی۔

اُن لوگوں کے نام جنھوں نے قبر مبارک کی تباہی و تاراجی میں حصہ لیا

متوکل کے حکم سے جن لوگوں نے انہدام روضۂ حسینی میں حصہ لیا انھیں

روایات کی روشنی میں اُن کے نام یہ ملتے ہیں:۔

سنہ ۲۳۳ھ میں ابراہیم دیزج یہودی الاصل اور یہودیوں ہی نے قبر مبارک کی زمین کھود دی اس زمین پر پانی بہالائے (مقاتل الطالبین ص ۲۰۲ و ۲۰۳ شرح شافیہ)

سنہ ۲۳۶ھ میں اسی دیزج نے اس کام کو انجام دیا (امالی طوسی ص ۲۰۷، بحار جلد ۱۰ ص ۲۹۷)

سنہ ۲۴۷ھ ہارون مغربی یا ہارون معری نے ابراہیم دیزج کے ساتھ مل کر یہ کام انجام دیا۔

جعفر بن محمد بن عمار قاضی کوفہ نے یہ خدمت انجام دی اور دیزج اسی قاضی کی ماتحتی و نگرانی میں رہا۔

روضۂ حسینی کا انہدام

۹، ۱۰ ذی الحجہ سنہ ۲۷۳ھ میں بعہد خلیفہ موفق باللہ

متوکل کا کام تمام کر کے اس کا فرزند منتصر سنہ ۲۴۷ ہجری میں تخت نشین خلافت ہوا اور خلیفہ ہوتے ہی اس نے حائر حسینی کو از سر نو تعمیر کرنے اور قبر مطہر کو پختہ کرنے کا فرمان جاری کیا۔ اس خلیفہ کو صرف ۶ ماہ حکومت کرنے کا موقع ملا اور اس مختصر مدت ہی میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہونچ گیا جیسا کہ ہم روضۂ حسینی کی تیسری تعمیر کے سلسلہ میں بیان کر چکے ہیں لیکن منتصر کی بنوائی ہوئی یہ عمارت ایک چوتھائی صدی سے زیادہ نہیں چل سکی

کیونکہ یہ عمارت موفق ابن متوکل کے زمانہ میں بالکل ہی ناگہانی طور پر ماہ ذی الحجہ میں منہدم ہو گئی۔

قرائن بتاتے ہیں کہ متوکل نے حائر مقدس اور روضۂ حسینی کے متعلق جو ظالمانہ و بہیمانہ سیاست اختیار کر رکھی تھی اور زائرین قبر مبارک کو ختم کرنے کی پالیسی اپنائی تھی وہی سیاست اور پالیسی متوکل کے بعد بھی مدت دراز تک باقی رہی اگرچہ اس کی صورتیں اور ڈھنگ بدل گئے تھے۔

یہ ناگہانی حادثہ جو تیسری صدی ہجری کے آخر میں پیش آیا اس کو تاریخی حیثیت سے غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ اس ناگہانی حادثہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ روضۂ حسینی سے عوام الناس کی والہانہ محبت جتنی بڑھتی جاتی تھی، زائرین کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہوتا جاتا تھا اور حائر حسینی کا جاہ و جلال عظمت و تقدیس مسلمانوں کے دلوں میں جتنا گھر کرتی جاتی بنی عباس دیکھ دیکھ کر جلتے اور اندر ہی اندر کھول کھول کر رہ جاتے خصوصیت کے ساتھ موفق جو بالکل اپنے باپ متوکل پر پڑا تھا۔ حائر حسینی کی بے حرمتی اور اس کو تباہ و برباد کرنے کی درپردہ طور پر اس کی بھی ویسی ہی کوششیں رہیں۔ اگرچہ تاریخ نے اس عہد خلافت میں روضۂ حسینی کے انہدام کو بہت مختصر طور پر ذکر کیا ہے۔

بس ایک روایت اس سلسلہ میں ملتی ہے جسے اکثر محدثین رواۃ نے ذکر کیا ہے۔ ابو الحسن علی ابن الحسن بن الحجاج بیان کرتا ہے کہ:-

میرے ابن عم ابو عبداللہ محمد بن عمران بن حجاج کی بزم میں بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے کوفہ کے بزرگوں کی بھی ایک جماعت حاضر تھی عباس بن احمد عباسی بھی وہاں موجود تھے یہ سب لوگ میرے ابن عم ابو عبداللہ محمد بن عمران بن حجاج کو جان سلامت رہ جانے

کی مبارکباد دینے آئے تھے کیونکہ ذی الحجہ سنہ ۲۷۳ ہجری میں جب امام حسینؑ کے روضہ کی چھت دفعتاً گر پڑی تو زائرین کے ہجوم میں محمد بن عمران بھی موجود تھا بہت سے لوگ دب کر مر گئے تھے گنتی کے چند آدمیوں کی جان بچی انھی میں محمد بن عمران کی جان بھی سلامت رہی تھی۔ یہ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے کہ اسمٰعیل بن عیسیٰ عباسی آ پہونچا اس کو آتے دیکھ کر لوگوں نے دوسری بات چھیڑ دی اور اسماعیل بہت دیر تک بیٹھا۔

(فرحۃ الغری ابن طاؤس ص ۱۲۶، نزہۃ اہل الحرمین ص ۳۰، تاریخ کربلا ص ۱۴۱، اعیان الشیعہ جلد ۴ ص ۵۰۸، مجالس اللطف ص ۱۲۵، بحار الانوار جلد ۹ ص ۶۶۹، شرح شافیہ ابو فراس ص ۳۰۰)

بس روایت کی اتنی ہی لفظیں ہیں جنھیں راویوں نے نقل کیا ہے۔

لیکن آخر کن اسباب سے یہ حادثہ پیش آیا کہ ناگہانی طور پر زائرین کے سر پر ایک ہی مرتبہ چھت آ رہی خصوصیت کے ساتھ ایسے وقت جبکہ وہاں زائرین کا ہجوم تھا مخصوص کی زیارت تھی۔ اس کا ذکر کتابوں میں سرے سے نہیں ہے اور آج تک اس انہدام کا پتہ نہیں چل سکا۔

اسی طرح کی اور بھی بہت سی باتیں آج تک پیچیدہ چلی آ رہی ہیں اور رہتی دنیا تک پیچیدہ ہی باقی رہے گی۔

کیا روضۂ مبارک کی چھت فطری طور پر اپنے آپ گر پڑی۔ حکومت کی یا سیاسی بازیگری کو اس میں کوئی دخل نہیں رہا یا یہ حکومت کی سازشی کارروائی کا نتیجہ تھا جیسا کہ منصور، رشید اور متوکل کے زمانہ میں علانیہ اس قسم کے حادثے پیش آ چکے تھے۔

منصور، رشید اور متوکل نے تو علی الاعلان روضہ کو منہدم کیا۔ زائرین

کو اس کا موقع ملا کہ وہاں سے دور ہٹ کر اپنی جانیں بچالیں۔ موفق کے زمانہ کا انہدام تو انتہائی ہولناک طریقہ پر پیش آیا کہ مخصوص ہی کی زیارت میں زائرین کا ہجوم تھا حرم حسینی میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ سب زیارت اور نماز و دعا میں مصروف تھے کہ بے سان گمان یہ سی چھت زمین پر آ رہی۔ اسی وجہ سے اس شک وشبہ کی کافی گنجائش ہے کہ چھت اپنے آپ نہیں گری۔

یہ فرض کرنا بہت مشکل ہے کہ عمارت کی بنیادوں میں کوئی خامی رہ گئی ہو گی جس کی وجہ سے وہ چھت اپنے آپ گر پڑی۔ اس لیے کہ وہ عمارت زیادہ دن کی نہیں تھی۔ اس عمارت کو بنے ہوئے مشکل سے ۲۵ برس ہوئے ہوں گے کس کی عقل میں یہ بات آئے گی کہ ۲۵ برس کی بنی ہوئی پختہ عمارت دفعۃً خود بخود گر گئی۔

حائر حسینی کی تاراجی

ضبہ بن اسدی کے ہاتھوں ۳۶۹ھ میں

جس طرح منصور، ہارون رشید، متوکل کے ہاتھوں روضۂ حسینی منہدم ہوا اور اس کے قیمتی مال و اسباب، موقوفات اور خزانے لوٹ لیے گئے اسی طرح ان تینوں کے پہلے بھی کئی مرتبہ حرم حسینی تاراج ہوا اور بعد میں بھی۔

چنانچہ ۳۶۹ھ ہجری میں قبیلہ بنی اسد کے ایک شخص ضبہ بن محمد اسدی نے اس روضہ کے تمام مال و اسباب اور خزانے لوٹ لیے۔ اس محمد بن ضبہ نے جنگ جو ڈاکوؤں کی ایک اچھی خاصی جماعت تیار کر رکھی تھی اس نے عین التمر

کو اپنا مرکز بنا کر چاروں طرف لوٹ مار قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا آنے جانے والے قافلوں کو لوٹ لینا شہروں پر چھاپے مارنا وہ زمانہ طائع للہ عباسی کی خلافت کا تھا اور پوری مملکت اسلامیہ کا امن و امان غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ عضد الدولہ بویہی نے اسی سال ایک فوجی دستہ اس کی سرکوبی کے لیے عین التمر روانہ کیا۔ ضبہ بن محمد کو پتہ بھی چلنے نہ پایا اور فوجی دستہ نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا اس کے لیے کوئی چارہ باقی نہ رہا سوا اس کے کہ اپنے اہل و عیال مال و اسباب کو چھوڑ کر بھاگ نکلے اور عضد الدولہ کے سپاہیوں سے اپنی جان بچائے۔

ان ڈاکوؤں کی جماعت نے حرم حسینی میں جو لوٹ مار کی تھی اور جو پاداش انھیں بھگتنا پڑی علامہ ابن اثیر نے ۳۶۶ھ ہجری کے واقعات میں تفصیل سے لکھا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"اسی ۳۶۹ھ ہجری میں عضد الدولہ نے عین التمر ایک دستہ فوج روانہ کیا جہاں ضبہ بن محمد اسدی نے تباہی مچا رکھی تھی اُس نے چوروں ڈاکوؤں کا طریقہ اختیار کیا تھا۔

اُسے پتہ بھی چلنے نہ پایا کہ فوجی دستہ نے اُسے اپنے نرغہ میں لے لیا۔ اس نے اپنے اہل و عیال مال و اسباب سب کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی۔ اس کا مال و اسباب ضبط کر لیا گیا اس کے اہل و عیال قید کر لیے گئے اور عین التمر پر حکومت نے پوری طرح قابو حاصل کر لیا۔

اس سے پہلے وہ روضۂ حسینی کو لوٹ چکا تھا جس کے نتیجہ میں اُسے یہ سزا ملی۔

(تاریخ کامل جلد ۸ ص ۲۳۶ حالات ۳۶۹ھ)

یہ مختصر حال ہے اس ڈکیتی اور حرم حسینی کی تاراجی کا جو ضبہ ابن محمد کے ہاتھوں ہوئی مگر کسی کتاب سے اس حادثہ کی پوری تفصیل نہیں معلوم ہو سکی یہ نہیں پتہ چل سکا کہ حائر حسینی اور اس کے خزانہ کی کیا کیا چیزیں لوٹی گئیں۔

البتہ واقعات کی کڑیوں کو ملا کر دیکھنے سے یہ بات پوری طرح ظاہر ہو جاتی ہے کہ معاملہ صرف لوٹ مار ہی تک محدود نہیں رہا۔

بلکہ حائر حسینی کی عمارت کو بھی نقصان پہونچایا گیا۔

جس کی وجہ سے اسی ۳۶۹ھ ہجری میں عضد الدولہ فناخسرو بن رکن الدولہ بویہی کے ہاتھوں اس روضہ کی از سر نو تعمیر ہوئی۔

جیسا کہ ہم روضۂ حسینی کی پانچویں تعمیر کے سلسلہ میں لکھ چکے ہیں۔ علامہ ابن اثیر نے بھی ۳۶۹ھ کے واقعات کے سلسلہ میں اس کی طرف اشارہ کیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"عضد الدولہ نے بغداد سے مکہ تک کے راستہ کی درستی و اصلاح کی۔ مکہ و مدینہ میں آباد شرفاء و معززین کو بڑے بڑے روپے دیئے ایسا ہی اس نے نجف اشرف اور مشہد حسینی کے ساتھ بھی کیا (تاریخ کامل جلد ۸ ص ۲۲۴)

غالباً اسی وقت عضد الدولہ نے روضۂ حسینی کی تعمیر کرائی ہوگی کیونکہ ضبہ بن محمد اسدی اور اس کی ٹولی کی لوٹ مار اور بربادی و تاراجی کی وجہ سے تعمیر ناگزیر ہو گئی ہوگی۔

روضۂ حسینی کا انہدام

اور آتشزدگی

۴۰۷ھ میں، بہ زمانہ قادر باللہ عباسی

قادر باللہ عباسی کے زمانۂ خلافت میں پورے مملکت اسلامیہ کے طول و عرض میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکی ہوئی تھی اسی کے نتیجہ میں حرم حسینی بھی ماہ ربیع الاول ۴۰۷ھ میں جل اٹھا۔ آگ پہلے روضہ میں لگی پھر پھیل کر رواق تک جا پہونچی پھر گنبد جل اٹھا اور پوری عمارت نصف شب تک زمین پر آ رہی سوا باہری چہار دیواری کے اور حرم کی کچھ چیزوں کے کچھ بھی نہیں بچا۔

اس آتشزدگی کے المناک واقعہ کو ابو الفرج ابن جوزی نے بھی نقل کیا ہے اور ابن اثیر نے بھی ابن جوزی کی عبارت یہ ہے۔

"ماہ ربیع الاول ۴۰۷ھ میں روضۂ امام حسینؑ اور رواق جل گئے اور کا سبب یہ ہوا کہ خادموں نے دو بہت بڑی شمعیں جلائی تھیں۔ نصف شب میں دونوں شمعیں گر پڑیں۔ انھوں نے قبر کے کٹہرے کو جلا دیا اور آگ تمام پھیل گئی۔" (المنتظم لابن جوزی جلد ۷ ص ۲۸۲)

اسی قسم کی عبارت ابن اثیر نے بھی تاریخ کامل جلد ۹ ص ۱۰۲ پر لکھی ہے۔ ان دونوں عبارتوں سے خیال ہوتا ہے کہ یہ حادثہ خود بخود پیش آیا اور

آگ خود سے لگ گئی بغیر کسی کے قصد و ارادہ کے۔ لیکن قادر باللہ عباسی کے زمانہ خلافت میں پورے مملکت اسلامیہ میں جو افراتفری مچی ہوئی تھی پھر اس خاندان بنی عباس کے جو عام میلانات و جذبات تھے اور مسلمانوں کو جس طرح حریت فکر سے محروم کیا جاتا۔ معتزلہ کے نظریات و افکار جس طرح کچلے جا رہے تھے اور معتزلہ کے ہم مسلک و ہم خیال افراد کو کافر قرار دیا جا رہا تھا نیز بنی فاطمہ کو کافر کہا جاتا ان پر لعنت کی جاتی اور درباری علما اور فقہا سے ان کے متعلق فتوے حاصل کرکے مسلمانوں کے ہر طبقہ کو ان کا دشمن اور ان کے خون کا پیاسا بنایا جا رہا تھا،[1] ان تمام باتوں سے اس آتشزدگی کے حقیقی اسباب کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ جب ہم اس قتل و غارتگری کے واقعات پر نظر کرتے ہیں جن کا سلسلہ محرم ہی کی ابتدائی تاریخوں سے شروع ہو گیا تھا یعنی حائر حسینی کی آتشزدگی کے دو تین مہینہ پہلے ہی سے۔ نیز وہ ہنگامے جو اسی سال افریقہ میں برعہد معز ابن بادیس ہوئے جن میں مسلمانوں ہی نے مسلمانوں کے گلے کاٹے اور افریقہ کے گوشے گوشے میں چن چن کر شیعہ قتل کئے گئے ان کا مال و اسباب لوٹا گیا پھر اسی سے متصل اندرون ملک کے وہ ہنگامے جو حرم حسینی کی آتشزدگی کے دس دن بعد فوراً شروع ہو گئے جنھیں ابن جوزی اور ابن اثیر وغیرہ سب ہی نے لکھا ہے کہ

"اسی ماہ ربیع الاول میں شہر واسطہ کے شیعہ و سنی کے درمیان فساد پھوٹ پڑا واسطہ میں شیعوں اور زیدیوں کے محلے لوٹ لیے گئے انھیں آگ لگا دیا گیا اور معززین شیعہ اور سادات علویین بھاگ کر علی ابن مزید کے

۱۔ تاریخ العرب سید امیر علی ص ۳۶۲ مطبوعہ مصر ۲۔ تاریخ کامل جلد ۹ ص ۱۳۲ واقعات محرم ۴۰۶ھ

کے پاس مدد مانگنے پہونچے۔

کیا یہ بات حیرت انگیز نہیں کہ یہ تمام قتل و غارتگری تاراجی و بربادی کے واقعات افریقہ میں بھی اور افریقہ ہی کی طرح واسط میں بھی بیک وقت ایک ہی مہینہ کے اندر ہوئے[ل] قادر باللہ عباسی کے زمانہ میں جس کی اہل بیت سے عداوت و عناد ساری دنیا جانتی ہے۔

مگر ان سب کے باوجود حرم حسینی کی اس آتش زدگی کے متعلق دعویٰ کیا جاتا ہے کہ خود بخود ہوئی۔ بغیر کسی سبب کے حالانکہ اسی قسم کی آتشزدگی کے واقعات ٹھیک اسی زمانہ میں دوسرے مقدس مقامات پر بھی ہوئے۔ حرم حسینی کی آتشزدگی کے ٹھیک دس دن کے بعد روضہ سامرا میں آگ لگ گئی اسی دن بغداد کے کرخ محلہ میں جہاں کی تمامتر آبادی شیعوں پر مشتمل تھی آگ لگی۔ قیامت تو یہ کہ قادر باللہ کی ریشہ کاریوں سے مسجد الحرام مسجد نبوی اور بیت المقدس بھی محفوظ نہیں رہ سکا کیونکہ جس دن مسجد الحرام کا رکن یمانی جلا مسجد نبوی کے سامنے کی دیوار گری اسی دن بیت المقدس کا بہت بڑا گنبد گر پڑا۔ (المنتظم جلد ۷ ص ۲۸۲ تاریخ کامل جلد ۹ ص ۱۲۲)

غرضکہ ایک ہی وقت میں مملکت اسلامیہ کے گوشہ گوشہ میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی اور خوف و دہشت کا ہر طرف تسلط تھا۔

اپنے طویل عہد حکومت کے ۴۲ ویں برس اس قادر باللہ نے تمام اسلامی شہروں میں ہیبت ناک شیطانی چکر چلایا۔ جگہ جگہ آگ لگی خوں ریزی ہوئی اور مکانات اور شہر منہدم ہوئے حتیٰ کہ اماکن مقدسہ بھی نہیں بچے۔ ہر طبقہ اور ہر مکتبہ فکر کے مسلمان آفت میں پھنسے اور جو کچھ ہوا درباری علماء و فقہاء کی تائید اور ان کے فتووں کی بدولت ہوا۔ ہیبت اور شقاوت میں یہ شخص عرب کے نیرو یعنی

ل یعنی پہلے افریقہ میں آگ بھڑکی، وہاں شیعوں کا قتل عام ہوا۔ پھر حرم حسینی میں آگ لگی۔ روضہ سامرا جلا بغداد میں محلہ کرخ جلا دیا گیا۔ بیت الحرام کا رکن یمانی آگ کی نذر ہو گیا۔

متوکل پر بھی بازی لے گیا اس نے اپنی زندگی کے آخری ایام ماہ ذی الحجہ ۳۸۹ھ اور محرم ۳۹۰ھ میں اسلامی فرقوں کے درمیان جس فتنہ و فساد کی تخم ریزی کی جو آگ بھڑکائی وہ اندر ہی اندر سلگتی رہی اور ۴۲۲ھ میں از سر نو بھڑک اٹھی اور خاتمہ اس پر ہوا کہ بغداد کے محلہ باب البصرہ کے سنیوں نے قم کی ایک جماعت کو جو روضۂ حسینی کی زیارت کو جانا چاہتے تھے کربلا جانے سے روک دیا ان کے تین آدمی مار ڈالے اور کاظمین میں امام موسیٰ کاظم ؑ کی زیارت بھی کرنے نہیں دی۔

مگر ادھر تو عباسی خلیفہ قادر باللہ آتشزنی کی پالیسی پر کاربند تھا دوسری طرف اسلامی ممالک کے مشرقی حصہ میں اس کے برعکس عمل ہو رہا تھا۔ ۴۲۱ھ میں سلطان محمود غزنوی نے امام رضا علیہ السلام کا روضہ بڑے اہتمام سے عالیشان پیمانہ پر تعمیر کرایا جو صوبہ خراسان کے شہر طوس میں ہے اس نے ایسے اسباب و وسائل فراہم کیے کہ زائرین کی ہمت بڑھے اور وہ کثرت سے زیارت کو آئیں اس نے حکومت میں عام منادی کرا دی کہ کسی زائر کو تکلیف نہ پہنچنے پائے چنانچہ ابن اثیر وغیرہ ۴۲۱ھ کے واقعات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔

"یمین الدولہ محمود بن سبکتگین غزنی کے بادشاہ نے اسی سال امام رضا کے مشہد کو از سر نو تعمیر کرایا اور انتہائی حسین و جمیل عمارت بنائی۔ اس روضہ کو اس کا باپ سبکتگین برباد کر چکا تھا۔ طوس کے باشندے زائروں کو بھی نت نئی اذیتیں پہنچایا کرتے۔ سلطان محمود نے سختی سے روک تھام کر دی اس کے ایسا کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس نے خواب میں امیر المومنین علی ابن ابی طالب ؑ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں یہ سب کب تک ہوتا رہے گا؟ محمود کو یقین ہو گیا کہ امیر المومنین ؑ کی مرضی یہ ہے کہ مشہد مقدس کی تعمیر ہو جائے چنانچہ اس نے

تعمیر کا فرمان جاری کیا (تاریخ کامل جلد ۹ ص ۱۳۹)

چونکہ مملکت اسلامیہ کے حالات بہت ہی دگرگوں ہو چکے تھے اور مسلمانوں کے مختلف طبقات کو ایک دوسرے سے ٹکرانے اور اُن میں فتنہ و فساد برپا کرنے، مقدس مقامات کو منہدم کرنے، حرم حسینی اور حرم سامرا میں آگ لگانے کی سازشی کارروائیوں کی وجہ سے اسلامی ممالک میں امن و امان غارت ہو کر رہ گیا تھا اس لیے چاروناچار منصب وزارت ابن سہلان رام ہرمزی کے حوالہ کیا گیا تاکہ حالات پرسکون ہوں امن و امان قائم ہو اور لوگوں کے دلوں کو اطمینان نصیب ہو چنانچہ ان حادثات کے فوراً ہی بعد جن کا سلسلہ محرم سے ربیع الاول تک جاری رہا تھا۔ ماہ ربیع الثانی میں منصب وزارت پر اس کا تقرر ہوا ابن جوزی لکھتے ہیں ابو محمد حسن بن فضل رام ہرمزی سلطان الدولہ کی طرف سے خلعت وزارت سے سرفراز ہوا اور اسی نے حائر حسینی کی چہار دیواری تعمیر کرائی۔ (المنتظم لابن جوزی جلد ۷ ص ۲۸۲)

حائر حسینی کے خزانہ اور مال و اسباب کی تاراجی

۵۲۶ھ میں مسترشد باللہ عباسی کے ہاتھوں

ایک عرصہ تک حائر حسینی کے انہدام و تخریب آتش زنی اور قبر حسینی کو کدال پھاوڑے سے کھود ڈالنے کی پالیسی موقوف رہی۔ پانچویں صدی ہجری تک حائر حسینی سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا البتہ اس کی شان و عظمت اور جاہ و جلال کو نقصان پہونچانے کی امکانی کوشش کی گئی جب بھی موقع ملا اس کا مال

و اسباب لوٹ لیا گیا۔ خزانے اور موقوفات ضبط کر لیے گئے، اس کے فرش و فروش قیمتی پردے سونے کی مرصع قندیلیں، چراغ بیش قیمت نوادرات جو لوگوں نے اس روضہ کی نذر کیے تھے قیمتی اور نفیس اشیاء جو عقیدت مندوں نے اس روضہ پر چڑھائی تھیں ان کو بری طرح لوٹا گیا۔ مسترشد باللہ عباسی نے چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں روضۂ حسینی کے متعلق یہی پالیسی اپنائی تھی۔ علامہ مجلسیؒ بحار الانوار میں مناقب ابن شہر آشوب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مسترشد نے حائر حسینی اور کربلا کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا اور کہا قبر کو اس خزانے کی کوئی ضرورت نہیں اس نے یہ مال و اسباب اپنے لشکر پر خرچ کیا مگر جلد ہی وہ اور اس کا بیٹا راشد دونوں مارڈالے گئے۔" (بحار الانوار جلد ۱۰ ص ۲۹۷)

مسترشد کے زمانہ خلافت میں شیعیان اہل بیت یہ سن کر بہت ہی دل تنگ ہوئے کہ مسترشد نے روضہ حسینی کا سارا خزانہ مال و اسباب قیمتی جواہرات لوٹ کر اپنے لشکر پر خرچ کر ڈالا ہے اور یہ کہہ کر خرچ کیا ہے کہ قبر کو خزانہ کی کیا حاجت؟ البتہ اس نے روضہ اور حائر کی عمارت سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ مسترشد نے اس زمانہ میں بڑے پیمانہ پر فوجی تیاریاں شروع کر رکھی تھیں کیونکہ اپنے آخری زمانۂ خلافت میں اسے داخلی لڑائیوں اور خانہ جنگی کا سامنا کرنا پڑا جو ... سلطان محمود کے ۵۲۸ھ میں مرنے کے تھوڑے ہی دنوں بعد شروع ہو گئی تھیں اسے مال و دولت کی شدید احتیاج تھی اسی لیے اس نے حائر مقدس کو لوٹا اور اس کی ساری دولت ہتھیا کر اپنی حکومت و اقتدار کو مضبوط بنانے میں صرف کیا اور ان لڑائیوں میں کام لیا جو سلجوقی شاہ کے بھائی مسعود نے ۵۲۶ھ کے اواخر میں اس کے خلاف چھیڑ رکھی تھیں دونوں میں گھمسان

کا معرکہ ہوا۔ مسترشد کو شکست فاش ہوئی اور دشمن نے اسے قید کر لیا۔ وہ اپنے خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ فرقہ باطنیہ کی ایک جماعت خیمہ میں گھس آئی اور اس نے اس کا کام تمام کر دیا۔ (تاریخ العرب سید امیر علی ص (۲۹) حائر حسینی لوٹنے کی سزا اسے بہت جلد ہی ملگئی اور جان دینی پڑی۔

حائر حسینی کی تاراجی مشعشعین کے ہاتھوں ۸۵۸ھ میں

پانچویں اور چھٹی صدی ہجری کے المناک حادثات نیز ۴۰۷ھ میں تباہ در باطنیہ عباسی کی ریشہ کاریوں کے سبب حائر حسینی کی ہولناک آتش زدگی پھر ۵۲۶ھ میں مسترشد باللہ عباسی کی لوٹ کے بعد تقریباً ساڑھے چار سو برس تک حائر حسینی بظاہر محفوظ رہا۔ کسی نے دست درازی نہیں کی، نہ حرم حسینی کی بے حرمتی ہوئی نہ ذلیل سیاسی خواہشوں پر بھینٹ چڑھا بلکہ اس کے برعکس اس مدت میں عالم اسلامی میں اس کی عظمت وجلالت اور شہرت ومقبولیت میں کافی اضافہ ہوا۔ شاہان وسلاطین نے بھی اس کی تعظیم وتکریم میں غیر معمولی محبت وعقیدت کے مظاہرے کیے یہاں تک کہ نویں صدی ہجری کے وسط میں علی بن محمد بن فلاح المعروف بہ مشعشعی کے ہاتھوں اس روضہ مبارک پر پھر تباہی آئی۔

نویں صدی ہجری کے شروع میں جنوبی عراق میں ایک نئی عربی حکومت کی تشکیل ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس حکومت کا دائرہ بڑھتا گیا اور بہت سے صوبے اس حکومت کے زیر نگیں آگئے۔ حویزہ۔ اہواز۔ الجزائر۔ خوزستان کا ایک حصہ سبھی پر اس حکومت کا قبضہ ہو گیا۔ دو سو برس سے زیادہ تک یعنی ۸۰۴ھ سے ۱۰۳۵ھ تک یہ حکومت قائم رہی۔ فلاح بن محمد آل مشعشع المتوفی ۸۵۴ھ نے اس حکومت کی بنیاد رکھی تھی پھر ان کی حکومت کمزور ہو گئی اور بعد میں ان کی حیثیت شاہان صفویہ کے گورنر کی رہ گئی۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آل مشعشع سادات تھے لیکن اسکی صحت ثابت نہیں کیونکہ مورخین نے ان کے نسب میں بہت شدت سے اختلاف کیا ہے۔

یہ آل مشعشع دو طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں ایک طبقہ غالیوں کا تھا دوسرا دعوائے تشیع کا۔ انکا پہلا بادشاہ جس نے حویزہ میں بادشاہت قائم کی وہ فلاح ہے اسکا باپ بچپن ہی میں مر گیا تھا۔ شیخ احمد بن فہد حلی نے اس کی ماں سے شادی کر لی اور اسی نے فلاح کی پرورش کی۔ فلاح ۸۵۲ھ میں مر گیا۔

اس فلاح کا بیٹا محمد شیخ احمد بن فہد حلی کا شاگرد تھا اس نے پڑھ لکھکر غلط اور باطل باتوں کا دعویٰ کیا۔ شیخ احمد بن فہد نے اس کے قتل کا فتویٰ صادر کر دیا اور امیر منصور بن قیان بن ادریس عبادی کو خط لکھا کہ اس شخص کا خون جائز ہے۔ منصور نے اسکو گرفتار کرکے چاہا کہ قتل کر ڈالے مگر وہ غدر و فریب سے کام لے کر بھاگ نکلا پھر اس کے نصیب نے یاوری کی تھوڑے ہی دنوں میں عربوں کے بہت سے جتھے اس کے پاس اکٹھا ہو گئے۔
سب سے پہلے اسکی بیعت بنو سلامہ نے کی جس کو اس نے شگون نیک اور خیر و سلامتی کا سبب سمجھا اور آخر کار بلاد خوزستان پر اس نے اپنا اقتدار قائم کر لیا اور بڑے بڑے ہولناک اقدامات کیے بے شمار لڑائیاں لڑیں (مجالس المومنین ص ۴۰۴)

منجملہ اس کے ہولناک اقدامات کے نجف اشرف پر حملہ تھا اس نے نجف پر حملہ کرکے امیر المومنین کے قبہ کو جلا دیا اور چھ مہینہ تک اسے اپنا باورچی خانہ بنائے رکھا جیسا کہ علامہ ضامن ابن شدقم نے تحفۃ الازہار میں نقل کیا ہے جو لکھتے ہیں۔

"محمد ابن فلاح تمام اہواز پر قابض ہو گیا۔ شاطی فرات سے لیکر حلہ تک یہ مذہب میں بڑا غالی تھا عراق کی طرف گیا اور اس پتھر کو جلا دیا جو قبہ امیر المومنین علیہ السلام کو گھیرے میں لیے ہوئے تھا اور قبہ مبارک کو چھ مہینہ تک مطبخ بنائے رکھا اس کا مقولہ تھا انہ رب والرب لا یموت علی فداہ ابی و امی

خدا کو موت نہیں آنے کی۔" (آثار الشیعہ ص ۵۸، ۵۹)

اس نے رجب ۸۴۴ھ میں خروج کیا تھا اور ۸۶۶ھ یا ۸۷۰ھ میں انتقال کیا۔

علی بن محمد بن فلاح کی غارتگری اور اس کے ہاتھوں حاجیوں کی تاراجی

محمد بن فلاح کا بیٹا علی بن محمد بن فلاح جس نے اپنے باپ کی زندگی ہی میں حکومت کی باگڈور اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور اپنی قوم کا سردار بن بیٹھا تھا اس نے یہ دعویٰ کیا کہ امیر المومنین زندہ ہیں اور آپ کی روح مجھ میں حلول کر گئی ہے اس نے اپنے لشکر کے ذریعہ عراق پر چھاپے مارے مشاہد مشرفہ لوٹ لیا اور عتبات عالیات کی بے حرمتی کی اس کا باپ اصلاح اور تادیب سے عاجز رہا جب بھی امرا و ملوک اس کے لڑکے کے کرتوتوں کا اس کے باپ سے شکوہ کرتے وہ اپنی بے بسی کا اظہار کرتا اس علی بن محمد کے بعض مولفات سے پتہ چلتا ہے کہ اس نے مہدویت کا دعویٰ بھی کیا اتنا ہی نہیں بلکہ ترقی کر کے اس نے دعوائے الوہیت بھی کر ڈالا (مجالس المومنین ص ۴۰۵)

یہ علی بن محمد بن فلاح مولا علی (یعنی علی کے غلام) کے نام سے مشہور تھا جو ناک اقوال اور قہرسامانیوں میں بالکل اپنے باپ کے نقش قدم پر تھا انتہائی شقی القلب اور درندہ صفت اس کی بے حیائی اور شرمندگی اس حد تک ہو گئی کہ اس نے اپنے باپ ہی کے باطل دعووں پر اکتفا نہیں کی بلکہ الوہیت تک کا دعویٰ کر ڈالا۔ اس نے ۸۵۸ھ میں حاجیوں کو جو نجف کی زیارت کے لیے گئے ہوئے تھے، مار ڈالا اور ان کے سارے اموال و اسباب لوٹ لیے باپ کی آخری زندگی میں اس نے باپ کو بھی بے بس کر کے حکومت کے تمام امور اپنے ہاتھ میں لے لیے اور غالیوں کا خود سردار بن بیٹھا عراق کے مشاہد مشرفہ پر حملے کیے قتل و غارتگری

کا بازار گرم کیا جو کچھ مشاہد مقدسہ میں پایا لوٹ لیا اور شرمناک شقاوت قلبی کا مظاہرہ کیا (شہداء الفضیلہ علامہ امینی ص ۳۰۵)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشعشی علی ابن محمد بن فلاح کے القاب میں سے ہے جو الجزائر اور بصرہ کا حاکم تھا اور مشہد حسینی اور روضہ نجف اشرف کو جس نے لوٹ کر ان دونوں مشاہد کے باشندوں کو بہت بری طرح قتل کیا اور باقی لوگوں کو قید کر کے اپنے دار السلطنت بصرہ والجزائر لے گیا۔ یہ واقعہ ۸۵۸ھ کا ہے۔

یہ بھی مشہور ہے کہ گمراہ مشعشیہ کا ایک گروہ تلوار کھا جاتا تھا چنانچہ ریاض العلماء میں مذکور ہے کہ ان کی جماعت کا ایک شخص ہمارے بادشاہ کے پاس آیا اور بادشاہ کے مقربین اور حاشیہ نشینوں کے سامنے تلوار کھا گیا مگر یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی (روضات الجنات ص ۳۵۲ و ۳۶۵)

علی ابن محمد ابن فلاح اپنی اسی روش پر باقی رہا یہاں تک کہ ۸۶۱ھ میں قلعہ بہبہان کے محاصرے کے دنوں میں ایک تیر اس کو آ کر لگا اور اس کا کام تمام ہو گیا جانو مقدس کے ساتھ اس نے جو زیادتیاں کی تھیں تین ہی برس میں اس کو اس کی سزا مل گئی۔

ان مذکورہ حادثات سے حاصل تجربے اور ان کے غیر معمولی نتائج

ہم نے ان بدکردار بدسرشت غالیوں کے کرتوتوں کو جو محض از راہ مکر و فریب اور تہمت و بہتان سید ہونے کے مدعی تھے اس لیے تفصیل سے بیان کیا تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو سکے کہ اس زمانہ میں اسلامی ممالک کے اندر کیسی طوائف الملوکی پھیلی ہوئی تھی کیسی اندھیر گردی ہو رہی تھی محمد بن فلاح نے نجف اشرف کی کیسی بے حرمتی کی اور اس کے لڑکے علی ابن محمد بن فلاح نے کربلا میں کیسی قیامت ڈھائی۔ علی بن محمد کے کرتوتوں کی اگرچہ ہمیں اس سے زیادہ تفصیل نہیں معلوم ہو سکی کہ اس نے

بھی ضبہ بن محمد اسدی کی طرح حائر حسینی کو تباہ وتاراج کیا۔ زائرین اور کربلا کے باشندوں کی بہت بڑی تعداد اس کے ہاتھوں قتل ہوئی باقی لوگ قید کر کے اس کے دارالسلطنت الجزائر اور بصرہ لے جائے گئے لیکن تاریخی قرائن سے اتنا تو ہم اندازہ کر ہی سکتے ہیں کہ علی بن محمد بن فلاح کے زمانہ میں حائر مقدس کو حد سے زیادہ نقصان پہونچا۔ اتنا نقصان سنہ ۵۲۶ھ میں بھی نہیں پہونچا تھا کیونکہ حائر مقدس مسترشد کی غارتگری کے بعد سنہ ۸۵۰ھ تک بالکل محفوظ رہا تھا اس عرصہ میں عمارات میں بہت کچھ اضافے ہو چکے تھے اوقاف کی تعداد کافی حد تک بڑھ چکی تھی۔ آخری عباسی خلفاء اور دیگر سلاطین وحکام نے قیمتی تحائف اور نفیس نوادر حرم میں بھر دیے تھے۔ خصوصیت کے ساتھ عباسی خلیفہ احمد ناصر نے نیز شیعہ سلاطین میں محمود غازان سنہ ۶۹۴-۷۰۳ھ شاہ محمد خدابندہ سنہ ۷۰۳-۷۱۶ھ اور اس کے بیٹے بہادر خاں ابوسعید سنہ ۷۱۶-۷۳۶ھ نے پھر سلطان اویس الجلائری سنہ ۷۵۷-۷۷۶ھ نے اس کے بیٹوں سلطان حسین سنہ ۷۷۶-۷۸۴ھ اور سلطان احمد سنہ ۷۸۴-۸۱۳ھ نے بے شمار تحائف وہدایا اس حرم کی نذر کیے تھے۔ ان تینوں جلائری سلاطین نے حائر مقدس کے لیے بہت عظیم الشان آثار چھوڑے تھے۔

اسی طرح شاہان قراقویونیہ میں قرا یوسف سنہ ۸۱۵-۸۲۳ھ اس کے بیٹے اسکندر سنہ ۸۲۳-۸۴۰ھ اور میرزا جہاں شاہ سنہ ۸۴۰-۸۷۲ھ اور میرزا جہاں شاہ کے فرزند حسین علی شاہ سنہ ۸۷۲-۸۷۳ھ بھی ان مذکورہ بالا سلاطین سے پیچھے نہیں رہے انھوں نے بھی حائر مقدس کی خدمت کرنے اور اس کی رونق اور شان بڑھانے میں بیش از بیش حصہ لیا یہی وجہ تھی کہ نویں صدی ہجری میں حائر مقدس کی عظمت وجلالت شان ووقار اس حد تک پہونچ چکا تھا جس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں اس کے خزانے تحائف وہدایا بیش قیمت نوادر سے بھرے ہوئے تھے

روضۂ مقدس کے جاہ و جلال اور عظمت و شان کا ہلکا سا اندازہ ابن بطوطہ کی لفظوں سے کیا جا سکتا ہے جس نے اپنی سیاحت کے سلسلہ میں کربلائے معلّیٰ کی زیارت کی تھی وہ لکھتا ہے:۔

"روضۂ مقدسہ کے اندرونی حصہ میں ایک بہت بڑا مدرسہ ہے اور ایک طرف مہمان خانہ ہے جس میں آنے جانے والے کی ضیافت کی جاتی ہے روضہ کے دروازہ پر حجاب و خدام متعین ہیں کوئی شخص بغیر ان کی اجازت کے روضہ میں داخل نہیں ہو سکتا آنے جانے والے جب آتے ہیں تو پہلے چوکھٹ کو بوسہ دیتے ہیں جو چاندی کی ہے ضریح مقدس پر سونے چاندی کی قندیلیں آویزاں ہیں دروازوں پر ریشمی پردے آویزاں ہیں۔"

ابن بطوطہ کی یہ زیارت اس وقت ہوئی تھی جب کہ ابھی جلائری حکومت قائم نہیں ہوئی تھی شاہان جلائری نے اپنے عہد حکومت میں مشاہد مقدسہ کی تقدیس و تکریم اور اُن کی شان و شوکت بڑھانے میں جس طرح پانی کی طرح روپیہ بہایا تھا وہ ابن بطوطہ کو دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا خصوصیت کے ساتھ سلطان اویس اور ان کے بیٹوں حسین اور احمد (م ۸۰۰ تا ۸۱۵ھ) نے جس غیر معمولی شغف اور انہماک سے کام لیا پھر بادشاہ قرا یوسف اور اس کے دونوں بیٹوں اسکندر اور جہاں شاہ (۸۱۵ تا ۸۷۲ھ) نے روضۂ حسینی کی رونق بڑھانے میں اپنی حکومت کے خزانے لٹائے۔ اس نے تو اور بھی روضۂ مبارک کی عظمت و شان و شوکت دہ چند کر دی تھی۔ غرضکہ خلیفہ مسترشد کے زمانہ میں جو روضۂ مبارک کی شان تھی اس سے ہزاروں گنا شان و شوکت نویں صدی ہجری میں بڑھ چکی تھی جبکہ علی ابن محمد بن فلاح نے اس روضہ پر چھاپہ مارا اسی لیے علی ابن محمد ابن فلاح کی غارتگری میں روضۂ مبارک کا کہیں زیادہ نقصان ہوا بہ نسبت اس نقصان کے جو مسترشد عباسی کے زمانہ حکومت میں پہونچا۔ اسی لیے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ابن بطوطہ نے آٹھویں صدی میں کربلائے معلّیٰ کی جو رونق اور

شان و شوکت دیکھی تھی۔ نویں صدی ہجری میں یہ رونق و شان و شوکت پہلے سے بھی کئی گنا بڑھ چکی تھی۔ بخصوصیت کے ساتھ سلطان اویس الجلائری کے زمانہ میں جس نے ۷۶۷ھ میں حائر حسینی کی از سر نو عالیشان پیمانہ پر تعمیر کرائی تھی مرجان بغداد کے گورنر نے اپنے ذاتی جائداد سے جو بغداد و عین التمر و حالہ اور کربلا میں پھیلی ہوئی تھی بہت بڑے بڑے اوقاف مسجد کے لیے اور اس عظیم الشان منارہ کے لیے جو اس نے حائر حسینی میں تعمیر کرایا تھا وقف کیے تھے۔ افسوس کہ یہ عظیم الشان منارہ ۱۳۵۴ھ میں خواہ مخواہ منہدم کر ڈالا گیا اور اس کے متعلق جو اوقاف تھے ان کا اب پتہ نہیں چلتا۔

ان تمام باتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ متعشین کے ہاتھوں حائر حسینی ہر مرتبہ سے زیادہ ہولناک طریقہ پر تباہ و تاراج ہوا پھر ایسی ہی تباہی و بربادی چار صدیوں بعد ۱۲۱۶ھ میں وہابیوں کے ہاتھوں ہوئی پانچویں صدی ہجری سے لے کر نویں صدی ہجری تک چار سو برس میں اس روضہ مبارکہ میں جتنا مال و اسباب جمع ہوا وہ متعشین نے لوٹا پھر متعشین کی غارتگری کے بعد نویں صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی ہجری تک جتنی دولت وہاں جمع ہوئی وہابیوں نے لوٹ لی جو جہالت اور شرمناک تعصب میں متعشین ہی کے بھائی تھے

عام طور پر اندازہ کیا جاتا ہے کہ وہابیوں نے ۱۲۱۶ھ میں حائر حسینی کے قیمتی مال و اسباب بیش قیمت نوادر اور جواہرات جو لوٹے تھے ان کی قیمت کم سے کم بھی اگر لگائی جائے تب بھی کئی ملین اشرفیوں سے کم نہیں تھی اسی طرح متعشین نے نویں صدی ہجری میں جو غارتگری کی تھی انھوں نے بھی اس سے کم کی دولت نہیں لوٹی اس لیے کہ وہابیوں نے بھی چار سو برس کی جمع شدہ دولت لوٹی اور متعشین نے بھی ان تمام ساز و سامان کو لوٹا تھا جو چار سو برس تک

جمع ہوتے رہے تھے۔

حائر حسینی کا انہدام آتش زدگی تاراجی و بربادی

۱۸ رذی الحجہ ۱۲۱۶ھ میں وہابیوں کے ہاتھوں

۱۰ر محرم ۶۱ھ کے بعد کربلا کی تاریخ میں دوسرا قیامت کا دن ۱۲۱۶ھ میں وہابیوں کے حملہ کا دن ہے۔ یہ ایسا اندوہناک اور روح فرسا واقعہ تھا جسکی گونج اسلامی شہروں ہی میں نہیں بلکہ یورپ میں بھی آج تک باقی ہے۔ وہابیوں کی درندگی و شقاوت کو مسلمان اور یوروپین مورخین دونوں ہی نے پوری تفصیل سے لکھا ہے۔ بہت سے شعراء نے اپنے لاثانی نظموں میں اس واقعہ کو نظم کیا۔ اور ان مظالم کی تصویر کشی کی جن کو سن کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس دن کو تاریخ میں دوسرا عاشور محرم قرار دیا گیا ہے۔

ہم پہلے یوروپین مورخین کے بیانات یہاں درج کرتے ہیں پھر مسلمانوں کے بیانات نقل کریں گے۔ مشہور انگریزی مورخ مسٹر اسٹیفن ہیملی لونگریگ اپنی کتاب "تاریخ عراق کی چار صدیاں" مطبوعہ بغداد ۱۹۴۱ء میں لکھتے ہیں۔

"بارھویں صدی ہجری کے آخر تک نجد کے بدو عرب عقیدہ اور مذہب میں باقی مسلمانوں سے الگ نہیں تھے یہاں تک کہ محمد بن عبد الوہاب نے اپنی نئی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی۔ یہ نئی تعلیمات بدوی عرب کے عام میلانات کے عام طور پر مطابق تھیں اور لوٹ مار قتل و غارت کو جن کی معیشت میں بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ ان تعلیمات کو بدو عربوں کے سردار محمد بن سعود نے دل سے پسند کیا۔ اس محمد بن عبد الوہاب نے بغداد کے دینی درسگاہوں میں تعلیم حاصل

تھی مگر اس کے مقلدوں نے اس کا موقع دیا کہ انھیں شہروں کو جن میں اس کا قیام رہا تھا عظیم خطرات سے دوچار کرے۔ لہذا وہاں سے وہ مدینہ چلا گیا پھر نجد کے شہر عونیہ پہونچا وہاں سے بھی مجبور ہو کر اسے بھاگنا پڑا اور اس نے محمد بن سعود کی پناہ لی۔ اسی کے پاس اس نے قیام کیا اور رفتہ رفتہ کر کے اس کے ہوش وحواس پر چھا گیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کی دینی اور دنیاوی طاقتیں متحد ہو گئیں اور دونوں کے اتحاد نے ایک نئی وحدت اور ایک روح کو اس چھوٹی سی حکومت کی شکل میں جنم دیا جس نے غلبۂ اقتدار سے کام لیکر اپنے عقائد کی تبلیغ کی" ص ۲۲۷

"امیر محمد بن سعود ۱۱۷۹ھ مطابق ۱۷۶۵ء میں مر گیا اس کی جگہ اس کا لڑکا عبد العزیز بن سعود بادشاہ ہوا۔ ۱۱۸۹ھ آتے آتے یہ ابن سعود جزیرہ عرب میں بہت بڑی قوت کا مالک بن گیا اور اسی وقت سے ابن سعود کی بادشاہت وہابی عقیدے کے ساتھ مشہور ہوئی۔ ان سعودیوں کی مذہبی لہریں چاروں طرف پھیل گئیں اور عراق ۱۲۰۵ھ کے آنے تک ایک ایسے نئے پڑوسی کے وجود کا احساس کرنے لگا جو کسی معاہدہ پر قائم رہنے والا نہیں تھا۔ کیونکہ وہابیوں نے عراق کے حدود پر بار بار حملے کرنا شروع کیے اور وہابیوں اور اہل عراق کے درمیان ۱۲۱۳ھ میں جو معاہدہ ہوا تھا اس کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا اس لیے کہ ایسی صلح جس میں معاندانہ تعصب کی بھی آمیزش ہو اور بدؤں کی بدویت کی بھی اس کے برقرار رہنے کی امید ہی نہیں کی جا سکتی ایک ہی سال کے بعد نجد کے قریب وہابیوں نے خزاعل کے حاجیوں پر حملہ کیا پھر دوسرے موقع پر ٹھیک اسی جگہ ایرانی حاجیوں کو وہابیوں نے لوٹ لیا ص ۲۳۳

اس موقع پر مسٹر لونگریک نے اس ہولناک و قیامت خیز حملے کا بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے جو وہابیوں نے کربلا پر کیا جہاں نہ کوئی فوجی چھاؤنی تھی نہ لڑنے والے سپاہی تھے وہ لکھتے ہیں:-

"یہ دردناک مصیبت و تباہی اپنی آخری حد وں تک جا پہونچی اس غارتگری نے سعودیوں کی شقاوت قلبی بے پناہ بھوک اور حد درجہ کی حرص و طمع عالم آشکار کر دی۔ یہ غارتگری دین و مذہب کے نام پر ہوئی۔"

عراقی فوجیں ان کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئیں مگر اگلی فوجیں بغداد چھوڑنے بھی نہ پائی تھیں کہ خبر ملی کہ وہابیوں نے کربلا پر حملہ کر کے اسے پوری طرح تاراج کر دیا ہے۔ یہ کربلا شیعوں کا بہت مقدس اور دولتمند شہر ہے۔

اس کے بعد مسٹر لونگریک وہابیوں کے کربلا پر حملہ روضہ مبارک کا انہدام اور ان کی تباہ کاریوں کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ماہ نیساں کی ۲۰ تاریخ کی شام ہوتے ہوتے خبر پھیل گئی کہ وہابی کربلا کے قریب آپہونچے ہیں جبکہ شہر کے بیشتر باشندے نجف میں زیارت بجا لائے تھے کربلا میں جو لوگ رہ گئے تھے انھوں نے جلدی سے شہر کے دروازے بند کر دیے مگر وہابی جو ایک ہزار سواروں کی تعداد میں تھے وہاں آکر اتر پڑے انھوں نے اپنی طاقت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیا اور شہر پناہ کی دیوار میں ایک جگہ سوراخ کر لیا۔ اور اس کے اندر سے داخل ہو کر انھوں نے شہر کے دروازے کھول دیے اور سب کے سب شہر میں داخل ہوئے کربلا کے باشندوں پر دہشت طاری ہو گئی اور بدحواسی میں ادھر ادھر بھاگ گئے تھے۔ تمام خود وہابی سیدھے ضریح مقدس کے پاس پہونچے اور اس کو منہدم

کرنا شروع کر دیا۔ ہر چیز توڑ پھوڑ ڈالی لکڑیاں بڑے بڑے آئینے چکنا چور کر دیے اور حرم میں جتنی قیمتی اور نفیس اشیاء تھیں بادشاہان عرب اور شاہان فارس کی نذر کیے ہوئے تحفے ہدایا تھے سبھی لوٹ لیے۔ اسی طرح دیواروں میں جو قیمتی پتھر تھے چھت میں جو سونا تھا۔ شمع دان۔ قالینیں۔ بیش قیمت جھاڑ فانوس۔ مرصع دروازے غرضکہ اس قسم کی جتنی بھی چیزیں تھیں توڑ تاڑ کر باہر ڈھیر کر دی گئیں (ص ۲۳۳)

اس کے بعد مسٹر لونگ ریگ نے انسانی ضمیر سے ان ہزاروں بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور مردوں کی بے رحمانہ ہلاکت کی فریاد کی جو وہابیوں کی درندگی اور بہیمیت کی بھینٹ چڑھے وہ لکھتے ہیں:۔

"تقریباً پچاس آدمی ضریح مقدس کے پاس قتل ہوئے۔ ۵۰۰ افراد ضریح کے باہر صحن میں مارے گئے۔ شہر کربلا کو ان درندوں نے تہس نہس کر کے رکھ دیا اور جس کو بھی پایا اس کو تہ تیغ کیا۔ ہر گھر میں گھس کر مال و اسباب لوٹ لیا انھوں نے نہ کسی بوڑھے پر رحم کیا نہ کسی بچہ پر نہ عورتوں کی عزت و آبرو کا احترام کیا نہ مردوں کا اس بہیمیت و درندگی اور قید و بند سے کوئی بھی نہیں بچا۔ بعض لوگوں کا اندازہ ہے کہ ہزار آدمی مارے گئے اور عراق کی فوجوں کا کربلا آنا کوئی فائدہ مند نہ ہوا۔ سپہ سالار فوج نے کربلا و حلہ و کفل کی فوجوں کو ایک جگہ جمع کیا اور روضہ نجف میں جو مال و اسباب تھے انھیں بغداد منتقل کر دیا پھر اس نے کربلا کی ایک مخصوص شہر پناہ بنائی اور وہابیوں سے کسی قسم کا انتقام نہیں لیا۔

اس المناک واقعہ نے شیخ سلیمان پاشا والی بغداد کو ان کے بڑھاپے میں جان لیوا صدمہ پہنچایا۔ ترکی اور ایران کے ہر حصہ میں دہشت و سراسیمگی

پھیل گئی اور وہابی درندے لدے پھندے کربلا کی ساری دولت لیے اپنے گھر واپس پہونچ گئے۔ ص ۲۲۳

وہابیوں کے ہاتھوں کربلا معلیٰ کی اس اندوہناک بربادی و تاراجی کو مسٹر ڈگر کی طرح بہت سے اسلامی مورخین نے بھی لکھا ہے۔ ان وہابیوں نے حائر مقدس کو منہدم کر دیا شہر کے ایک ایک گھر کو لوٹ لیا اور ہزاروں بے گناہ بوڑھوں جوانوں اور عورتوں کو قتل کیا (اعیان الشیعہ جلد ۴ ص ۳۰۷ کتاب شہداء الفضیلہ علامہ امینی وغیرہ)

اس غارتگری اور تاراجی کی مکمل تفصیل تاریخ کربلائے معلیٰ ص ۲۰ و ۲۲ پر مرقوم ہے اس کی لفظیں یہ ہیں:-

"کربلائے معلیٰ مہم صدیوں سے زیادہ اطمینان و سکون سے رہا یعنی شعشعین کی غارتگری سے لے کر ۱۲۱۶ھ تک اس عرصہ میں کوئی بات ایسی رونما نہیں ہوئی جو کربلا کے باشندوں کی پریشانی کا باعث ہو یہاں تک کہ ۱۲۱۶ھ میں شاہ سعود وہابی نے ایک بہت بڑا لشکر جو ۲۰ ہزار فوجیوں پر مشتمل تھا تیار کیا اور کربلا پر چڑھ دوڑا کربلائے معلیٰ کی شہرت اور شان و شوکت اپنی انتہا کو پہونچ چکی تھی۔ ایرانی، ترکی اور عربی زائرین کا برابر ہجوم رہتا۔ سعود نے کربلا کا محاصرہ کر کے پہرے داروں اور باشندوں کو بہت بری طرح قتل کیا اس کے فوجیوں نے ایسی درندگی و شقاوت سے کام لیا جس کے بیان کرنے کو لفظیں نہیں ملتیں۔ ایک رات میں تقریباً ۲۰ ہزار افراد قتل کیے گئے۔ اس قتل عام سے فارغ ہو کر روضہ حسینی کے خزانوں کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ خزانے جیتماد مال و اسباب اور ہر طرح کی نفیس چیزوں سے بھرے ہوئے تھے۔ سعود

نے جو کچھ مال و اسباب پایا سب لوٹ لیا۔ اسی لوٹ میں ایک بہت بڑا موتی اس کے ہاتھ لگا بہت تلواریں جن کے قبضے و میانیں سونے کی تھیں اور قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے سونے چاندی کے ظروف، فیروزے، ہیرا اور بہت سے قیمتی مال و اسباب لوٹ لیے۔

روضۂ مبارک کے منجملہ دیگر سامانوں اور فرش فروش کے جو لوٹے گئے چار ہزار کشمیری شالیں دو ہزار چاندی کی تلواریں، بے شمار بندوقیں اور اسلحے بھی لوٹ لیے گئے۔ اس واقعہ کے بعد کربلا ویران اور اجاڑ ہو گیا۔ سعود کے رخصت ہو جانے کے بعد کربلا کے وہ باشندے جو جان بچا کر بھاگ گئے تھے پھر کربلا واپس آئے جو کچھ ممکن ہو سکا روضۂ حسینی کی مرمت کی اور رفتہ رفتہ پھر کربلا آباد ہونے لگا انیسویں صدی عیسوی کے شروع میں ہندوستان کا کوئی بادشاہ کربلائے معلیٰ کی زیارت کو آیا کربلا کی حالت دیکھ کر اسے دلی تکلیف ہوئی اس نے کربلا میں خوبصورت بازار تعمیر کرائے جو لوگ خانماں برباد ہو چکے تھے ان کے لیے مکانات بنوائے۔ شہر کے لیے ایک بہت مضبوط شہر پناہ بنوائی تاکہ دشمنوں کے حملوں سے شہر کا بچاؤ ہو سکے۔ اور گرد بہت سے برج اور دیدبان تعمیر کیے اور آلات دفاع نصب کیے جس کی وجہ سے یہ شہر دشمنوں کے حملوں سے بڑی حد تک محفوظ ہو گیا اور پہلے جیسی ترقی اور فروغ پھر اس شہر کو رفتہ رفتہ حاصل ہونے لگا۔

اس جانکاہ و دلخراش واقعہ نے خون کے آنسو رلوائے۔ ہر ملک کے مسلمانوں کے دل تڑپ اٹھے اور تمام اسلامی دنیا میں ایک ہلچل سی مچ گئی کیونکہ وہابیوں کی اس غارتگری نے بالکل وہی نقشہ پیش کر دیا تھا جو یزیدی فوجوں کے ہاتھوں دس محرم ۶۱ھ میں پیش آیا تھا۔

مسٹر ڈنگوک لکھتے ہیں کہ کربلائے معلیٰ کو تباہ و تاراج کرنے کے دوسرے ہی برس ۱۲۱۸ھ میں عبدالعزیز بن سعود بغداد کے پاشا کی سازش سے مارا گیا۔

اس کا قاتل ایک افغانی ملا تھا جس کا قیام بغداد میں تھا اس نے عبدالعزیز کو اپنے بیٹوں کے انتقام میں قتل کیا جنھیں ابن سعود کی فوجوں نے کربلا کے حادثہ میں ذبح کر دیا تھا۔

حائر حسینی اور اس کا مشہور منارہ عبد جو ۱۳۵۴ھ میں منہدم ہوا

ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ مرجان نامی ایک غلام نے حائر حسینی میں ایک بہت ہی عظیم الشان منارہ تعمیر کیا تھا جو فن تعمیر کا ایک تاریخی شاہکار تھا۔ یہ منارہ عبد کے نام سے مشہور تھا اور صحن حسینی کے شمال مشرقی حصہ میں تعمیر کیا گیا تھا یہ منارہ ۱۳۵۴ھ میں جبراً بنیاد سے منہدم کر دیا گیا اس کے انہدام کے وقت کی تصویریں بہت سے اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکی ہیں جن میں منارہ کے اوپر مزدور کھینچے سے منارہ توڑتے صاف دکھائی دیتے ہیں۔ اس تصویر سے ماضی کے واقعات کی جھلک نظروں کے سامنے آجاتی ہے جب آج کل کے زمانہ میں جبکہ دنیا کافی ترقی کر چکی ہے اور ہر ملک میں آثار قدیمہ کی خصوصی طور پر حفاظت کی جاتی ہے حکومت عراق نے بے سبب اس منارہ کو زمین کے برابر کر دیا تو گزشتہ زمانوں میں کیا کچھ نہیں کیا گیا ہو گا۔

ہم ذیل میں اس منارہ کی مجمل توصیف اسکی بنیاد رکھنے کی تاریخ، اس کے اوقاف، شاہ طہماسپ صفوی کے عہد میں اس کی تعمیر، اس کے منہدم کیے جانے کے اسباب اور صحن اقدس کی توسیع کا نظریہ ذکر کرتے ہیں۔

(۱) صحن حسینی اور اس کا سر بفلک گنبد ۱۳۵۴ھ تک اس کے تین مناروں

کی وجہ سے پہچانا جاتا تھا۔ ان تینوں مناروں کی وجہ سے حائر مقدس کی بڑی رونق تھی دو منارے حرم کے آگے اور تیسرا حرم کے پیچھے تھا صحن کے مشرقی حصے میں۔ یہی تیسرا منارہ وہ تاریخی منارہ تھا جو حائر حسینی کی رونق، خوبصورتی اور جاہ و جلال میں اضافہ کرتا تھا۔ یہ منارہ صحن کے مشرقی حصے میں چہار دیواری سے ملا ہوا تھا اور حضرت عباسؑ کے روضہ کی طرف جانے میں بائیں طرف پڑتا تھا۔ یہ منارہ ان تمام مناروں سے جو آج عتبات عالیات کربلا، نجف، کاظمین، سامرا میں موجود ہیں بڑا اور پرشکوہ تھا۔ عراق کی تاریخی عمارتوں میں اس کا دوسرا نمبر تھا اس کے نچلے حصہ کا قطر ۲۰ میٹر تھا اور ۴۰ میٹر اس کی اونچائی تھی بہت نادر پتھر اور کاشانی نقش و نگار اس منارہ میں بنے ہوئے تھے آج کل کے موجودہ آثار قدیمہ میں فن تعمیر کا شاید ہی کوئی ایسا شاہکار موجود ہو۔ یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کے انہدام کے بعد وہ قیمتی سامان جس سے اس منارہ کو مزین کیا گیا تھا کیا ہوا؟

(۲) اس منارہ کی تاریخ تعمیر کس نے اسے تعمیر کیا؟ اور اس کے لیے کتنی جائداد وقف کی؟

ہم سابقاً بیان کر چکے ہیں کہ مرجان نامی ایک غلام، سلطان ادریس جلائری کی طرف سے عراق کا گورنر تھا۔ اس غلام نے بغاوت کر دی اور سلطان ادریس نے اس کی سرکوبی کے لیے ایک بہت بڑا لشکر تبریز سے روانہ کیا۔ مرجان کے ساتھی اس کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو گئے۔ جب وہ بے یار و مددگار رہ گیا تو کربلا کی طرف بھاگ گیا اور حرم حسینی میں پناہ لی اور وہاں اس نے یہ مشہور منارہ تعمیر کیا۔ منارہ عبد کے نام سے جس کی شہرت ہوئی۔ اسی کے ساتھ ایک جامع مسجد بنائی اور ان دونوں عمارتوں کے لیے بغداد، کربلا، عین التمر، رحالیہ میں اس کی جو ذاتی جائداد و املاک تھیں وقف کر دیں۔ یہ تمام املاک موقوفہ حسینی اوقاف

میں شامل ہو گئیں۔ خود مرجان سلطان جلائری کے ڈر سے حرم حسینی میں معتکف ہو گیا۔ سلطان کو جب اُس کے کارناموں کی خبر ملی تو اس کو اپنے پاس بلایا اس کی خطا معاف کر کے اسکی عزت بڑھائی پھر عراق کا گورنر مقرر کر دیا۔ اسی کے فوراً بعد سلطان اویس نے خود شعائر حسینی کی عظمت بڑھانے اور اسکی عمارت از سر نو تعمیر کرنے کا کام شروع کیا۔

(۳) منارہ عبد کی ٩٨٢ھ میں شاہ طہماسپ صفوی کے ہاتھوں مرمت

منارہ عبد اپنے بننے کے دو سو برس بعد محتاج ہوا کہ اسمیں کچھ ضروری اصلاحات کی جائیں اور اس کی زیبائش و آرائش میں اضافہ کیا جائے چنانچہ شاہ طہماسپ صفوی بن شاہ اسماعیل صفوی نے ٩٨٢ھ میں جہاں حائر مقدس کی مرمت اور اصلاحات کیں صحن کو شمالی حصہ میں بڑھایا وہاں اس منارہ پر بھی جی کھول کر پیسہ خرچ کیا۔ صحن حسینی پہلے کاظمین کے صحن کی طرح نہ رہا تھا یعنی مشرق و مغرب اور جنوب تین سمتوں میں، شاہ طہماسپ نے شمالی حصہ بھی اس صحن کا نکالا۔

علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں:

"جہاں تک میرے معلومات ہیں حائر حسینی صحن قدیم پر مشتمل تھا۔ دولت صفویہ نے جس حصہ کا اس میں اضافہ کیا وہ حصہ پہلے والے صحن میں شامل نہیں تھا۔ قرائن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے اور میں نے کربلا کے زائروں سے بھی سنا ہے کہ صحن میں نہ تو سمت قبلہ کوئی تغیر کیا گیا نہ دائیں طرف نہ بائیں طرف بلکہ پشت قبلہ کے حصہ میں اضافہ ہوا" (بحار الانوار جلد ۸ ص ۳ ۵ ۷) شاہ طہماسپ صفوی کی اس مرمت و تعمیر کی تاریخ "انگشت یار" سے نکالی گئی جسکے اعداد ٩٨٢ ہیں۔

٩٨٢

(۴) اس تاریخی منارہ عبد کا ۱۳۵۴ھ میں انہدام اور اس کے اسباب.

یہ تاریخی منارہ چھ سو برس تک یعنی ۷۶۷ھ سے لے کر ۱۳۵۴ھ تک صحیح و سالم رہا حوادثات و تغیرات زمانہ سے بالکل محفوظ تھا دفعۃً ایک دن یہ منارہ کدال اور پھاوڑہ کی زد میں آگیا اور جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا گیا. اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ منارہ ٹیڑھا ہونا شروع ہو گیا تھا اور خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ دفعۃً گر پڑے اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ قبل اس کے کہ یہ منارہ منہدم ہو کر حائر حسینی کو نقصان پہونچائے اسے گرا دیا جائے سننے میں یہی بات آتی ہے اسی بنا پر ایکا ایکی یہ منارہ گرا دیا گیا اور اب اس کی صرف تصویر اخبارات و رسائل اور کتابوں میں باقی رہ گئی ہے.

لیکن کس شخص نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ منارہ گرانے والا ہو اس کا ہمیں پتہ نہیں کیا واقعی اس منارہ میں کجی آگئی تھی اور اس کے گرنے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا اس کے متعلق بھی ہم یقینی طور پر کچھ کہہ نہیں سکتے اور اگر اس منارہ میں کجی بھی آگئی تھی اور احتیاط کے طور پر اس کو منہدم کر دینا ضروری ہو گیا تھا تو کیا یہ منارہ اپنی جڑ سے کج ہو گیا تھا. اور اس کا خطرہ اسی وقت دور ہو سکتا تھا جب اسے جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا جائے اس کے بارے میں بھی ہم کچھ کہنے سے قاصر ہیں یہ سب باتیں تو کوئی ماہر تجربہ کار انجینیر ہی بتا سکتا ہے البتہ عام طور پر جو باتیں زبان زد خلائق ہیں ان سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس منارہ کا انہدام خاص "اغراض" کے تحت ہوا کیونکہ اس منارہ کے ساتھ ساتھ ان اوقاف پر بھی پردہ ڈال دیا گیا ہے جو اس منارہ سے متعلق تھے.

حائر حسینی کی وہ اصلاحات جو بعد کے زمانوں میں ہوئیں

۹۱۴ھ میں شاہ اسماعیل صفوی کے عہد کی اصلاحات

قبر مطہر پر آج جو عمارت قائم ہے یہ بعینہ وہی عمارت ہے جس کی تعمیر کا سلسلہ سلطان اویس الجلائری نے ۷۶۷ھ میں شروع کیا تھا اور ان کے مرنے کے بعد ان کے بیٹوں سلطان حسین اور سلطان احمد نے ۷۸۶ھ میں مکمل کیا اس کے بعد ایرانی اور ترکی امرا و سلاطین نے اس روضہ مبارک کی تزئین و آرائش اور اس کو مضبوط اور خوبصورت سے خوبصورت تر بنانے اور اس کی اصلاح و درستی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہر دور اور ہر زمانہ میں کوئی نہ کوئی بادشاہ یا امیر حائر حسینی میں کسی نہ کسی قسم کی تعمیر اصلاح و درستی میں ضرور مصروف رہے وہ سلاطین جنھوں نے دسویں صدی ہجری کے شروع میں اس حائر حسینی کی مرمت و اصلاح میں بیش از بیش حصہ لیا اُن میں شاہ اسمٰعیل صفوی کا نام سرِفہرست ہے کیونکہ صفوی شہنشاہیت جس کی بنیاد شاہ اسماعیل نے رکھی تھی دینی شعور و احساسات کا نتیجہ تھی اور یہ شعور و احساسات شیعی عقائد پر مبنی تھے جیسا کہ مسٹر لانگریک نے اپنی کتاب چہار صدیاں کے صفحہ ۲۰ پر اقرار کیا ہے اس لحاظ سے صفوی شہنشاہیت بالکل ایسی ہی تھی جیسی مصر میں فاطمی حکومت شاہ اسماعیل نے عراق کی ترکمانی حکومت کو ختم کیا اور ۱۵۰۸ء میں بغداد اُن کی حکومت میں داخل ہوا اور جیسے ہی عراق شیعی حکومت کے زیر نگیں آیا۔ شاہ اسماعیل بہ عجلت تمام عتبات عالیات کی زیارت کو عراق پہونچے۔

مسٹر لانگریک لکھتے ہیں :۔

"اُن کی فوجوں کے قدم بغداد میں جیسے ہی جمے شاہ فوراً کربلا و نجف

کی زیارت کو آ پہونچے (ص ۳۰) یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے صفوی بادشاہت کے قیام اور ترکوں منگولوں تاتاریوں اور ترکمانوں سے جنگ کو عربی قومیت کی تحریک ثانیہ سے تعبیر کیا ہے جبکہ عربی قومیت کی تحریک قریب قریب بیجان ہوچکی تھی کیونکہ سلاطین صفویہ کا سلسلۂ نسب امام موسیٰ کاظمؑ سے جا ملتا ہے۔ اس بناء پر یہ لوگ خالص عرب تھے اور انھوں نے آئمہ اطہار کے مشاہد مشرفہ کی جو گرانقدر خدمتیں انجام دی ہیں بعض لوگوں کے خیال میں محض عرب قومیت کے جذبہ کے تحت جو دل کی گہرائیوں میں پوشیدہ تھا۔ یہ لوگ اسلامی معاشرہ کو خالص عربی رنگ میں رنگنے کے خواہشمند تھے۔ شاہ اسماعیل نے نجف و کربلا کی زیارت کے ساتھ ہی اس کی تعمیر اور اصلاح کی خدمات بھی انجام دیں اور پورے شہر کربلا کی آبادکاری کا بہتر انتظام کیا چنانچہ انھیں کے زمانہ میں نہر شاہ تعمیر ہوئی جو آج تک اسی نام سے موسوم ہے۔ امام موسیٰ کاظمؑ جو شاہ کے جدِ اعلیٰ تھے، کی زیارت کے موقع پر شاہ نے حکم جاری کیا کہ ضریح کے گرد عالیشان عمارت تعمیر کی جائے (التاریخ الحدیث مطبوعہ وزارت معارف ص۹ مطبوعہ بغداد ۱۹۴۷ء)

شاہ اسماعیل کے بقصد زیارت کربلا آنے اور روضۂ مقدسہ اور وہاں کے مجاورین اور باشندگان کی گرانقدر خدمتیں بجا لانے کا تذکرہ حبیب السیر میں بھی آیا ہے۔ مورخ حبیب السیر لکھتے ہیں:-

"فتح بغداد مکمل ہونے کے بعد شاہ اسماعیل صفوی مظفر و منصور ۲۵ جمادی الثانی ۹۱۴ھ میں بغداد میں داخل ہوئے۔ آنے کے دوسرے ہی دن عتبۂ مقدس کے طواف کا ارادہ کیا۔ کربلا پہونچکر انتہائی اہتمام سے مراسم زیارت بجا لائے۔ روضہ کی تعظیم و احترام کے کل شرائط کی پابندی کی انتہائی خضوع و خشوع سے چوکھٹ کو بوسہ دیا۔ اپنے رخسار خاک پر ملے، روح سید الشہداء سے مناجات

کی خدائے تعالیٰ کی مدد کے خواستگار رہے۔ روضہ کے مجاورین کو طرح طرح کے تحفے ہدایا دیے۔ قبر شریف کے صندوق پر زرکشی کے کام کیے ہوئے کپڑے پہنائے جن پر سونے چاندی کا کام بنا ہوا تھا قبر مطہر پر خالص سونے کی بارہ قندیلیں چڑھائیں جن کی چمک دمک سے رات میں دن کا گمان ہوتا تھا۔ روضہ مقدس میں بہترین نقش ونگار اور باریک کام کیے ہوئے فرش بچھائے (یہ تمام ہدایا سنہ ۱۲۱۶ھ میں وہابیوں نے لوٹ لیے تھے) خدام حرم کی شاہانہ ضیافت کی۔ شاہ اسمٰعیل نے غروب آفتاب سے لے کر طلوع آفتاب تک پوری رات روضہ میں اس طرح گذاری کہ اپنے جدّ مظلوم کی قبر سے لپٹے ہوئے تھے۔"

پھر صاحب حبیب السیر شاہ اسمٰعیل کی زیارت نجف اشرف، کاظمین اور سامرا کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"بغداد واپس آکر شاہ اسمٰعیل پھر عتبات عالیات کی عظمت و جلال بڑھانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہر روضہ پر نقارخانہ بنوایا تاکہ صبح و شام شاہانہ سلام کی رسم ان نقارخانوں کے ذریعہ انجام پاتی ہے جس طرح شاہوں کے محلات و قصور میں رواج تھا اور جیسا کہ آج بھی امام رضاؑ کے روضہ پر نوبت بجا کرتی ہے۔"

پھر اُنھوں نے حکم دیا کہ ماہر صنعت کاروں کو ملک کے گوشہ گوشہ سے اکٹھا کیا جائے۔ اُن کے اکٹھا ہونے پر حکم دیا کہ کربلا، نجف، کاظمین اور سامرہ میں ائمہ طاہرینؑ کی قبروں پر جو صندوق مدتوں سے چلے آرہے ہیں اُن کی جگہ نئے صندوق بہترین صناعی و کاریگری اور نقاشی کے تیار کیے جائیں۔

شاہ اسمٰعیل نے اُن سے جتنا ممکن ہو سکا عتبات عالیات کی تعظیم و احترام اور

اُن کی رونق بڑھانے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تھا اور ایک عرصہ تک عراق میں سکون و اطمینان کی فضا قائم رہی مگر کچھ ہی دنوں بعد جب شاہ سلیم ترکی کا بادشاہ ہوا تو اس میں اور ایرانی سلاطین میں کشاکش شروع ہو گئی کہ عراق پر کس کا قبضہ ہو۔

مسٹر لونگریک اپنی کتاب "چار صدیاں" میں لکھتے ہیں:-

"ترکی کا شاہ سلیم متضاد صفات کا حامل تھا۔ نئی شیعی حکومت کا جاہ و جلال عظمت و شوکت اُسے حد سے زیادہ شاق گذرتی تھی اُس نے سنّی مذہب کی حمایت میں اعلانِ جنگ کر دیا اور اپنی حکومت کے ابتدائی مہینوں میں شیعوں کا بُری طرح قتل عام کیا جہاں کہیں اُنھیں پایا ہلاک کیا۔ (ص ۲۱)

ان لڑائیوں میں اپنی حکومت بڑھانے اور دوسری حکومتوں پر قبضہ کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی مذہب تھا آخر عراق فتح ہو گیا اور اس کی فتح سلیم کے بیٹے سلطان سلیمان قانونی کے ہاتھوں ۹۴۱ھ میں مکمل ہوئی۔

شاہ اسمٰعیل صفوی نے حائر مقدس کے لیے جو صندوق بنوایا تھا غالباً وہ ۹۳۲ھ میں بن کر تیار ہوا تھا جیسا کہ تاریخ کربلائے معلّیٰ ص ۱۵ پر مذکور ہے۔

لیکن آج کل قبرِ مطہر پر جو صندوق ہے اس کے تیار ہونے کی تاریخ ۱۱۳۲ھ ہے غالباً صندوق شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ میں روضہ پر نصب ہوا ہوگا۔ یہ تاریخ صندوق کے جنوب مشرقی حصہ میں ہاتھی دانت کے حرفوں میں کندہ ہے پھر اس کی درستی و مرمت ۱۲۲۵ھ میں قاچاری سلاطین کے زمانہ میں ہوئی جیسا کہ اس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

"۱۲۱۶ھ میں دشمنانِ خدا کے ہاتھوں اس صندوق کی شکست و ریخت کے علاوہ باغیوں نے ۱۲۱۶ھ میں اس صندوق کو توڑ کر جلا ڈالا تھا

خان جان قاجار نے ۱۲۲۵ھ میں صندوق کو ازسرنو بنوایا۔"
یہ پتہ نہ چل سکا کہ شاہ اسمٰعیل نے جو صندوق بنوایا تھا وہ کیا ہوا۔

سلطان سلیمان قانونی کی اصلاحات

سلطان سلیمان قانونی نے ۹۴۱ھ میں عراق فتح کر لیا مگر چونکہ یہی عراق صفوی سلاطین کے قبضہ میں رہ چکا تھا اور عراق کے باشندے ان کی دینداری اور حسن سلوک سے کافی متاثر تھے پھر یہاں شیعوں کی خاصی تعداد بھی تھی اس لیے سلطان سلیمان کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ اگر عتبات عالیات کی ذرا بھی بے ادبی کی گئی تو لوگوں کے دلوں میں ہمارے خلاف نفرت و عناد اور صفویوں کی محبت میں اضافہ ہوگا اسی بناء پر سلطان سلیمان نے عتبات مقدسہ اور وہاں کے باشندوں کو راضی رکھنے کی پوری کوشش کی اور چونکہ سابق کے صفوی سلاطین بہت زیادہ دیندار اور مذہب پرست تھے اس لیے سلطان سلیمان نے بھی ضروری سمجھا کہ اس میدان میں بھی ہمیں اُن سے کمتر نہیں ہونا چاہیے چنانچہ اس نے واقعی تعظیم و احترام کے ساتھ کاظمین کی زیارت کی اور شاہ اسمٰعیل نے کاظمین میں جو بڑی مسجد جامع بنانا شروع کیا تھا اُس کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کا حکم دیا پھر شیعہ اور سنی دونوں کے مذہبی مقاصد کے لیے بہت سی جاگیریں وقف کیں۔[۱]
(چار صدیاں ص ۳۰ و ۳۱)

---

[۱] یہ تمام موقوفہ جائداد سو برس کے بعد سلطان مراد رابع نے ۱۰۴۳ھ میں ضبط کر لیں۔ اس کے ساتھ عتبات عالیات کے اصلی اوقاف بھی ضبط کر لیے اور انھیں اہل سنت کے اوقاف میں شامل کر دیا (چار صدیاں ص ۲۹ و ۳۰)

عراق کے باشندوں کو خوش رکھنے کی اتنی ہی پالیسی پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ اُس نے کربلا، و نجف اشرف کی زیادتیں بھی کیں اور شاہ اسمٰعیل سے زیادہ وہاں خدمات انجام دیں۔ کربلائے معلےٰ کی سرزمین کو کبھی کبھی دریا کی طغیانی سے خطرات پیدا ہو جاتے تھے۔ سلطان سلیمان نے بند بنوا کر اس شہر کو غرقابی سے محفوظ کر دیا۔ یہ بند آج بھی رود سلیمانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ نہر حسینیہ کی درستی کا حکم صادر کیا جس کے نتیجہ میں پانی باغات اور کھیتوں میں پہونچنے لگا۔ ان تمام خدمات کی وجہ سے سلطان سلیمان کی کافی شہرت ہوئی۔ (التاریخ الحدیث ص ۱۲)

سلطان سلیمان عتبات عالیات کی زیارت کو کب آیا اور کس طرح زیارت بجالایا اس کی تفصیل صاحب تحفۃ العالم نے لکھی ہے:۔

"سلطان سلیمان عثمانی ۸ رجمادی الاول ۹۴۱ھ کو بغداد میں داخل ہوا اس نے امام موسیٰ کاظم اور امام محمد تقی ع کے روضہ کاظمین کی زیارت کی پھر امیرالمومنین ع اور امام حسین ع کے روضوں کی زیارت کا قصد کیا۔ ان دونوں اماموں کی روحوں سے مدد کی درخواست کی اور جب نجف کی زیارت کو چلا تو قبہ مبارک پر نظر پڑتے ہی چار فرسخ پہلے گھوڑے سے اتر کر پیادہ پا ہو گیا اس کے بعض ساتھیوں نے جب اس کا سبب دریافت کیا تو کہا قبہ پر نظر پڑتے ہی میرے جسم میں تھرتھری پیدا ہو گئی۔ گھوڑے پر بیٹھنے کی طاقت ہی باقی نہیں رہی کسی نے کہا ابھی نجف بہت دور ہے اور آپ پیدل وہاں جا نہیں پائیں گے۔ سلطان سلیمان نے کہا میں قرآن مجید سے تفاؤل کرتا ہوں جب اُس نے مصحف کھولا تو یہ آیت نکلی فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طویٰ سلطان کچھ دور گھوڑے پر بیٹھ کر چلا اور کچھ دور ننگے پیر اسی حالت میں پورا راستہ طے کر کے روضۂ نجف میں داخل ہوا۔"

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ عراق کے ان عتبات عالیات کو کس قدر قوتِ اقتدار اور اسلامی ممالک میں اثر و نفوذ حاصل تھا ملوک سلاطین مشکلات کے وقت کس طرح ان عتبات عالیات سے مدد کے خواستگار ہوتے اپنی حکومت کو مضبوط اور اپنے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے انھیں عتبات عالیات کا سہارا لیتے۔ سلطان سلیمان جس نے بڑے بڑے معرکے سر کیے، فتوحات حاصل کیں جس نے مشرقی یورپ ہلا کر رکھ دیا تھا اس کی کیفیت یہ تھی کہ روضہ ہائے کربلا و نجف کا تقرب اور ان کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لیے جی جان سے کوشش کیا کرتا۔

سلطان سلیمان نے عتبات مقدسہ کی جو عظیم الشان خدمتیں انجام دیں اور اس ائمہ سے جس طرح مدد چاہی قبہ منورہ کو دیکھ کر گھوڑے سے اتر کر پیدل چلنے لگا۔ ننگے پیر چل کر نجف تک پہونچا اور جس طرح اس نے اس خوشامدی کو قتل کر ڈالا تھا جس نے اسے امیر المومنینؑ پر فضیلت دی تھی اور کہا تھا کہ آپ زندہ خلیفہ ہونے کی وجہ سے افضل ہیں۔ یہ ساری باتیں شیعوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور عتبات عالیات کی خوشنودی کے لیے تھا کہ تاکہ ہماری حکومت مضبوط ہے۔ واقعہ یہ ہو کہ ان عتبات عالیات کو اسلامی حکومتوں کے درمیان توازن قائم رکھنے میں بہت بڑا اثر حاصل تھا اور انھیں کے ذریعہ اقتدار کو سہارا ملتا تھا (چار صدیاں ص ۳۰)

تیسری فصل

دولت صفویہ کے اصلاحات

بزمانہ شاہ طہماسپ، شاہ عباس اور نادر شاہ

شاہ اسمٰعیل کے بعد صفوی حکومت نے حائر حسینی کی مرمت و اصلاح میں فوقیت

بیش از بیش حصہ لیا جب کبھی ضرورت داعی ہوئی خواہ عراق پر اُن کی حکومت رہی ہو یا نہ رہی ہو۔ شاہ طہماسپ نے اپنے ۵۰ سالہ دورِ حکومت ۹۳۰ھ تا ۹۸۴ھ کئی مرتبہ بے اندازہ دولت حائر حسینی پر صرف کی منجملہ مرمت اور اصلاحات حائر حسینی کے منارہ عبد کی از سرِ نو تعمیر بھی ہے جس کی تاریخ انگشت یار سے نکالی گئی تھی اسی طرح شاہ طہماسپ نے روضہ مطہر کے اندرونی حصہ میں بہت کچھ اصلاحات اور مرمت کی جیم شریف میں جو مسجد ہے اسمیں اضافہ کیا، شمالی رواق بڑھایا۔ صحن حسینی کو شمال کی طرف وسعت دی جیسا کہ علامہ مجلسی نے بحار الانوار جلد ۱۸ ص ۵۲۷ پر لکھا ہے

"میرے خیال میں حائر حسینی صرف صحن قدیم پر مشتمل ہے۔ دولت صفویہ نے صحن میں جو اضافہ کیا ہے وہ حائر حسینی میں داخل نہیں۔"

اس کے بعد لکھتے ہیں:-

"اصل صحن کے سمت قبلہ کی طرف نیز دائیں اور بائیں طرف کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی جو کچھ اضافہ ہوا قبلہ کے مخالف سمت ہوا۔"

شیخ یوسف بحرینی الحدائق الناضرہ جلد ص ۲۴۶ پر لکھتے ہیں:-

"یہ مسجد جامع جو آج قبہ مبارکہ کی پشت پر موجود ہے، یہ پہلے نہیں تھی اس کو بنے ہوئے دو سو برس ہوئے جب یہ مسجد بننے لگی تو صحن کی دیوار پیچھے ہٹا کر بنائی گئی تاکہ باقی سمتوں میں بھی اضافہ ہو سکے۔"

شیخ یوسف بحرینی نے ۱۱۸۶ھ میں انتقال کیا لہٰذا جب مسجد اور شمالی صحن ان کی زیارت کے دو سو برس پہلے تعمیر ہوا تھا تو یقیناً وہ زمانہ شاہ طہماسپ کا رہا ہوگا اور مسجد، رواق اور اس سمت میں صحن شاہ طہماسپ کی تعمیرات ہی ہیں۔ یہ عمارتیں بہت ہی عظیم الشان ہیں اور شاہ طہماسپ نے اپنی اس وابستگی اور تعلق کی وجہ سے جو اُنھیں مشاہد ائمہ اطہار سے تھا بے حد و حساب دولت صرف کی۔

شاہانِ صفویہ کی خدمات اسی حد پر آکر نہیں رکیں بلکہ جب بھی اُنھیں موقع ملا۔ اُنھوں نے روضہ مبارکہ کی تعمیر، ترقی اور عظمت و جلال بڑھانے میں جی بھر کے حصہ لیا۔ شاہ عباس ۹۹۶ھ تا ۱۰۳۸ھ نے جب ۱۰۳۲ھ میں بغداد فتح کر لیا اس نے بھی روضہ مبارکہ کی بڑی عظیم الشان خدمتیں انجام دیں۔

یہ شاہ عباس بہت راسخ العقیدہ شیعہ تھے۔ سر جان مالکم اپنی کتاب تاریخ ایران ص ۲۵۱ پر لکھتے ہیں:۔

"شاہ عباس نے متعدد مرتبہ امام رضاؑ کی زیارت کی۔ ایک مرتبہ وہ اور ان کے تمام وزراء اور امراء اصفہان سے خراسان تک پا پیادہ زیارت کو گئے۔"

نادر شاہ جو صفویین کے جانشین ہوئے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ خوش نصیب ثابت ہوئے۔ اُنھیں عتبات عالیات کی خدمت کا بہت زیادہ حصہ ملا۔ اُنھوں نے ہندوستان کو فتح کیا اور بے شمار خزانے، بیش قیمت نوادرات پر مشتمل وہ ایران لائے، ان خزانوں کا کافی حصہ اُنھوں نے عتبات عالیات خصوصاً نجف اشرف کی نذر کیا۔

سید جمال الدین افغانی اپنی کتاب عروۃ الوثقیٰ میں لکھتے ہیں:۔

"انگریز ان خزانوں کا بڑے رنج و اندوہ سے ذکر کیا کرتے ہیں کیونکہ ان کے ہندوستان پر قابض ہونے کے کچھ ہی دن پہلے نادر شاہ ان خزانوں کو سمیٹ لایا تھا۔"

پھر نادر شاہ کی اہلیہ نے جو سلطان حسین صفوی کی دختر تھیں ۱۱۳۵ھ میں مسجد تعمیر کرائی اس مسجد پر بے حد و حساب دولت صرف کی۔ (تاریخ کربلائے معلیٰ ص ۱۵)

چوتھی فصل

دولت قاچاریہ کے عہد میں حائر حسینی اور اسکی اہم اصلاحات سلطان آغا محمد خاں، فتح علی شاہ اور ناصر الدین شاہ کے ہاتھوں

ایران کی نئی قاچاری حکومت نے شعائر حائر مقدس کی تعظیم و احترام میں غیر معمولی خدمات انجام دیے۔ اس شہنشاہیت کے عہد میں بہت اہم اصلاحات ہوگئیں جو سابق زمانہ میں نہیں ہو سکی تھیں۔ حکومت نے اس کام کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیے۔ حائر مقدس کی عمارت تو شروع زمانہ ہی سے بہت عظیم الشان چلی آرہی ہے لیکن قبہ مبارک اور منارے پہلے کاشانی نقش و نگار کے بنے ہوئے تھے۔ اس حکومت میں قبہ مبارک اور مناروں پر سونا چڑھایا گیا۔ صحن کے مغربی حصہ میں مسجد تعمیر ہوئی اسی طرح کی اور بہت سی مختلف اصلاحات اس حکومت میں ہوئیں۔ ۶۵ برس کی مختصر مدت میں تین مرتبہ قبہ پر سونا چڑھا گیا۔ ایک تو اس وقت جب سلطان محمد خاں نے جو قاچاری سلاطین میں پہلے بادشاہ تھے قاچاری حکومت کی بنیاد رکھی اُنھوں نے ۱۲۰۷ھ میں جو اُن کی زندگی کا آخری زمانہ تھا قبہ مبارک کو سونے سے منڈھنے کا حکم دیا۔ وہابیوں کی غارت گری کے دس برس پہلے دوسری مرتبہ تھوڑے ہی زمانہ کے بعد سلطان فتح علی شاہ کے عہد حکومت میں اُس قبہ کو سونے سے منڈھا گیا کیونکہ پہلا سونا ذرا کالا پڑ گیا تھا۔ کربلا کے

باشندوں نے سلطان فتح علی شاہ کو اس کی خبر کی اور بادشاہ نے خط پاتے ہی حکم دیدیا کہ پہلی ڈالی سونے کی اینٹیں اکھاڑ کر نئی اینٹیں سونے کی نصب کیجائیں اسی طرح کاظمین ع کے دونوں قبوں کو بھی سونے سے منڈھا گیا (تحفۃ العالم سید جعفر آل بحر العلوم ص ۳۰۸)

دہابیوں کی غارتگری کے بعد سلطان فتح علی شاہ قاچار کے ہاتھوں ۱۲۳۲ھ میں حائر مقدس میں بہت سی اصلاحات ہوئیں کیونکہ آقا شیخ جعفر آل کاشف الغطاؒ نے فتح علی شاہ سے ملاقات کر کے خاص طور پر انھیں حائر حسینی کی مرمت و اصلاح کی طرف توجہ دلائی تھی اسی طرح ایران کے مختلف شہروں کا دورہ کر کے انھوں نے مومنین میں اس کی تحریک کی تھی. ۱۲۳۲ھ سے پہلے سلطان فتح علی شاہ کے بیٹے محمد علی مرزا جبکہ وہ کرمان شاہ کے گورنر تھے ۱۲۲۰ھ میں وہابیوں کی غارتگری کے بعد بہت کچھ حائر مقدس کی مرمت و تعمیر میں خدمتیں انجام دے چکے تھے انھوں نے حرم شریف کی تعمیر تزئین میں جی کھول کر حصہ لیا اور بیشمار دولت اس پر صرف کی. (تاریخ کربلائے معلےٰ ص ۱۶)

اسی زمانہ میں فتح علی شاہ کی زوجہ نے دونوں مناروں پر سونا منڈھوایا.

تیسری مرتبہ ناصر الدین شاہ جو فتح علی شاہ کے پوتے تھے کے زمانہ میں قبہ مبارکہ پر سونا چڑھایا گیا اسی طرح صحن کے مغربی حصہ میں توسیع کی گئی اور شاہ ناصر الدین کی بنوائی ہوئی تعظیم الشان مسجد کو مزید مستحکم کیا گیا. یہ سب تیرھویں صدی کے آخری حصہ میں ہوا کیونکہ شاہ ناصر الدین نے ۱۲۷۶ھ میں علمائے ایران کے بزرگ شیخ عبد الحسین طہرانی مرحوم کو بہت گرانقدر رقم کے ساتھ کربلائے معلےٰ روانہ کیا تاکہ عتبات عالیات میں ضروری اصلاحات تجدید اور تعمیر کی خدمات انجام دیں. تحفۃ العالم ص ۳۰۸ پر ملاحظہ ہو

کہ ۱۲۷۶ھ میں سلطان ناصر الدین کے حکم سے آقائے شیخ عبدالحسین طہرانی کربلائے معلی تشریف لائے اور قبہ حسینیہ کو پھر سے سونے سے منڈھا گیا صحن بنایا گیا کاشی رنگ اور نقش و نگار میں الوانات کی تعمیر ہوئی اور امام مظلوم کے سرہانے کی جانب صحن میں اضافہ کیا گیا اس کام سے فارغ ہوئے پھر وہ کاظمین میں بیمار پڑ گئے اور ۱۲۸۶ھ میں اُن کا انتقال ہو گیا اور اُن کی میت کربلا لاکر دفن کی گئی اُن کا انتقال سلطان ناصر الدین کی زیارت زیارت عتبات عالیات سے دو برس پہلے ہوا کیونکہ ناصر الدین شاہ ۱۲۸۸ھ میں مدحت پاشا گورنر بغداد کے زمانہ حکومت میں عتبات عالیات کی زیارت کو آئے تھے۔ شیخ مرحوم باب السلطانیہ کے شمالی پہلو میں اپنے مخصوص مقبرہ میں دفن ہوئے جو صحن مقدس کے شمالی مغربی حصہ میں پڑتا ہے۔ اُن کا مقبرہ صحن کے اندرونی حصہ میں آج بھی موجود ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ خود اُن کی ذاتی ملک ہے مجالی اللطف ص ۴۴)

ناصر الدین شاہ نے صرف حائر حسینی ہی کی اصلاح و مرمت نہیں کی بلکہ روضۂ کاظمین اور سامرا میں بھی اسی قسم کی اصلاحات ہوئیں۔ قاچاری دور حکومت کے منجملہ اصلاحات سے یہ بھی ہو کہ قبر مطہر کا صندوق پھر سے بنایا گیا۔ خان قاچار نے ۱۲۲۵ ہجری میں از سر نو بنوایا کیونکہ وہابیوں نے اس عظیم الشان صندوق کو ۱۲۱۶ھ میں توڑ پھوڑ کر جلا ڈالا تھا۔

پانچویں فصل

حائر حسینی اور اُس کی آخری اصلاحات ملا طاہر سیف الدین مرحوم کے ہاتھوں

تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں حائر حسینی اور دیگر مشاہد مشرفہ میں جو تعمیرات اہم اصلاحات قاچاری سلاطین کے ہاتھوں انجام پائیں اُس کے بعد دنیا بھر میں مادیت

نے زور پکڑا خصوصیت کے ساتھ ایران وترکی میں ۱۹۰۸ء میں دستور کے اعلان کے بعد تو عام بے تعلقی اور بیزاری اور بڑھ گئی جس کے نتیجہ میں مختلف اطراف عالم سے زائرین اور علماء واکابر کے آنے میں خاصی کمی ہو گئی چودھویں صدی کے شروع ہی سے نصف صدی تک حائر حسینیؑ کی کوئی خاص اصلاح و مرمت نہ ہو سکی اس پچاس برس کے زمانہ میں کسی بھی بادشاہ، امیر یا مشہور شخصیت نے نہ کوئی تجدید کی نہ کسی قسم کی اصلاح و تعمیر یہاں تک خداوند عالم نے تقدس مآب ملا طاہر سیف الدین کو موفق کیا۔ وہ ۱۳۵۰ھ ہجری میں کربلائے معلیٰ کی زیارت کو آئے اور انھوں نے خود بنفس نفیس کربلا کے معاملات میں دلچسپی لی اور جو ضروری اصلاحات و تعمیرات انھیں معلوم ہوئیں ان پر بیشمار دولت صرف کی حرم حسینی کے مغربی منارہ کو از سر نو تعمیر کرایا اور پہلے سے زیادہ حسین و جمیل اور خوشنما منظر کر دیا۔ پھر ۱۳۵۸ھ میں ضریح مقدس پر نئی جالی چاندی کی نصب کرائی جو ہندوستانی کاریگروں کی صناعی کا بہترین نمونہ ہے۔ ۱۳۶۰ھ میں دونوں مناروں پر نیچے سے لے کر اوپر تک سونا چڑھوایا۔ غرضکہ ان کی گرانقدر خدمات نے ان خدمات کی یاد تازہ کر دی جو ۲۸۳ھ میں داعی صغیر محمد بن الحسن الحسنی شاہ طبرستان نے انجام دی تھیں۔

چھٹی فصل

حائر حسینی اور اُس سے ملحق مدارس و مراکز علمیہ

حائر کے گرد شاہراہ بننے سے پہلے

کربلائے معلیٰ عظیم الشان مراکز اسلامیہ سے تھا دینی و مذہبی حیثیت سے بھی اور علمی حیثیت سے بھی شروع زمانہ ہی سے اکابر علماء اور طلاب علم اور حقیقتہً کمال کے

طلاب آتے رہے اور بڑی بڑی علمی درسگاہیں اور مدرسے یہاں قائم ہوئے۔ اسلامی بادشاہوں نے حائر مقدس کے ارد گرد ان اداروں کے لیے شاندار ..... عمارتیں بنوائیں۔ یہ کیفیت تھی کہ بیچ میں حائر مقدس تھا اور اس کے چاروں طرف تاریخی مسجدیں، مدرسے اور علمی مراکز تھے جیسے چاند کے گرد ہالہ ہوتا ہے۔ جرمنی کا ایک ادیب مؤرخ نیبوہر ۱۷۶۵ء میں کربلائے معلّیٰ کی زیارت کو آیا تھا وہ اپنے سفرنامہ کی دوسری جلد کے ص ۲۱۸ پر حرم حسینیؑ کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"یہ جامع عظیم (حائر حسینیؑ) بہت بڑے قطعۂ زمین پر ہے۔ اس کے چاروں طرف اہل علم اور اکابر دین کے مکانات ہیں۔"

مگر افسوس آج کل حائر حسینیؑ کے چاروں طرف سوا سڑک کے اور کوئی چیز نظر نہیں آتی وہ دینی و مذہبی مراکز، جن کا ذکر نیبوہر نے اپنے سفرنامہ میں کیا ہے وہ سڑکوں کی نذر ہو گئے۔ طلاب دین کے وہ عظیم الشان مدرسے یا لبنان علم کے وہ علمی مراکز وہ قدیمی اور تاریخی مسجدیں جو حائر حسینیؑ کے چاروں طرف تھیں ان سے حائر حسینیؑ کی عظمت و جلال میں اضافہ ہوتا تھا ان سے اس کی دینی منزلت اور علمی اہمیت ظاہر ہوتی تھی۔ ان علمی درسگاہوں سے بڑے بڑے علماء فارغ التحصیل ہو کر نکلے جنھوں نے دین و شریعت اسلامیہ کی شاندار خدمتیں انجام دیں اور اپنے گہرے نقوش اور ناقابل فراموش کارنامے چھوڑے۔

شاہراہ کی تعمیر سے پہلے یہ درسگاہ اور علمی مراکز علم و مذہب کی اسی طرح خدمات انجام دے رہے تھے جس طرح جامع ازہر آج تک انجام دے رہا ہے جس پر پورے مصر کو ناز ہے۔

کارپوریشن کی دست درازیوں کے نتیجے میں کیسے کیسے مدرسے مسجدیں، علمی مراکز شاہراہ کی بھینٹ چڑھے۔ ہم اُن کی مختصر فہرست ذیل میں درج کرتے ہیں۔

حائر حسینی کے مغربی سمت حسب ذیل عمارتیں ختم کی گئیں۔

(۱) مدرسہ زینبیہ :۔ جو بہت ہی اہم علمی مرکز تھا۔ یہ بھی ختم ہوا اور اس کے موقوفات بھی۔

(۲) شاہ ناصر الدین کی بنوائی ہوئی شاندار مسجد

(۳) مدرسہ صدر اعظم نوری :۔ یہ کربلا کا بہت بڑا علمی مرکز تھا

حائر حسینی کے شمالی سمت میں جو عمارتیں مٹائی گئیں

(۱) مشہور تاریخی عمارت جامع راس الحسین علیہ السلام

شروع زمانہ ہی میں اس مسجد کے درمیان ایک یادگار عمارت بنائی گئی تھی کیونکہ امام مظلوم کا سر اقدس کو لے جانے سے پہلے یہیں رکھا گیا تھا تمام شیعہ اس مسجد کو انتہائی اہمیت دیتے تھے اُن کے نزدیک یہ جگہ انتہائی مقدس و محترم تھی۔

(۲) جامع سردار حسن خاں :۔ یہ مسجد فن تعمیر کا ایک نادر شاہکار سمجھی جاتی تھی۔

(۳) مدرسہ سردار حسن خاں :۔ یہ کربلائے معلیٰ کی بہت بڑی علمی درسگاہ تھی مشاہد مشرفہ میں مشکل سے اس کی مثال مل پائے گی ہر زمانہ میں بڑے بڑے علماء یہاں سے فارغ ہو کر نکلے۔ شاہراہ کے ضمن میں اس کے موقوفات بھی ختم کر دیئے گئے۔

اس شاہراہ کے بننے کے نتیجہ میں کربلا کی ایک امتیازی حیثیت ختم ہو گئی۔ مدارس اور علمی مراکز کے منہدم کر دیئے جانے کی وجہ سے اس کی امتیازی علمی حیثیت کا خاتمہ ہو گیا اور فنی و تاریخی حسن بھی ختم ہو گیا اور اس نقصان عظیم کے عوض حاصل کیا ہوا صرف ایک شاہراہ جس پر فرنگی لوگ صحن کے گرد اپنی موٹریں دوڑا سکیں اور انھیں پیدل چلنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے اور یہ یقینی بات ہے کہ جو کچھ کیا گیا اس پر نہ کربلا کے باشندے خوش ہوئے نہ علمائے دین بلکہ ہر طبقہ کی طرف سے اس ظلم و تعدی پر صدائے احتجاج بھی بلند ہوئی۔

ساتویں فصل

حائر مقدس اور حرم حضرت عباس

حائر مقدس کے شمال مشرق میں ۳ سو میٹر کے فاصلہ پر حضرت عباسؑ کا روضہ ہے جہاں آپ ساحل فرات پر شہید ہوئے تھے اور اسی جگہ دفن کیے گئے۔ یہ جگہ حائر حسینی سے الگ ہے آپ کی قبر مطہر پر بھی ویسا ہی عظیم الشان روضہ تعمیر کیا گیا ہے جیسا کہ امام مظلوم اور دیگر ائمہ طاہرینؑ کی قبروں پر ہے۔

حضرت عباسؑ اپنے بھائی کے پیاسے بچوں کے لیے پانی لینے گھاٹ پر گئے تھے جب آپ نے مشکیزہ میں پانی بھر لیا تو دشمن کی فوجیں سد راہ ہوگئیں شدید جنگ ہوئی حضرت عباسؑ زندگی کی آخری سانسوں تک پانی کی حفاظت کرتے رہے کہ شاید کسی طرح پانی حرم حسینیؑ تک پہنچ جائے اور عورتیں اور بچے اور شیرخوار اس پانی سے سیراب ہوں مگر ؎

جہد عباس کی خواہش تقدیر کی

آپ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

حضرت عباس کی وفا ضرب المثل بن چکی ہے۔ آپ فرات میں داخل ہو چکے تھے اور باوجودیکہ خود بھی تین روز کے پیاسے تھے اور پانی آپ کے قبضہ میں تھا آپ چاہتے تو اپنی پیاس بجھا سکتے تھے مگر بھائی اور ان کے بچوں کی پیاس آپ کے پیش نظر تھی۔ آپ نے چلو میں پانی لیکر دشمنوں کو دکھا کر پھینک دیا۔

حضرت عباسؑ سا بھائی امام حسینؑ کے علاوہ شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو اسی لیے آپ کی قبر مطہر پر بھی ویسا ہی عظیم الشان روضہ تعمیر ہوا۔

روضۂ مبارک کی عمارت انتہائی عظیم الشان ہے پوری عمارت سنگ

سر خادم کی ہے قبر پر چاندی کی جالی ہے چاروں طرف عظیم الشان رواق ہیں جس طرح حرم حسینی میں ہیں۔

روضہ کے اوپر بہت عالیشان گنبد ہے کاشانی نقش و نگار اور فن تعمیر کا نادر و نگار شاہکار ہے۔ قبہ کے آگے دو بہت خوبصورت اور سربلند منارے ہیں ان پر کاشانی نقش و نگار کا مجموعہ ہیں۔ مناروں کے سرے پر سونا منڈھا ہوا ہے۔ مناروں کے مقابل باب قبلہ کے اوپر ایک بہت بڑا برج ہے اور اسمیں گھڑیال نصب ہے جس کے گھنٹے کی آواز پورے شہر میں گونجتی ہے۔ روضہ کے چاروں طرف بہت شاندار اور خوبصورت صحن ہے چاردیواری بہت بلند ہے۔ البتہ حائر حسینی اس روضے سے بہت زیادہ وسیع ہے۔ حائر حسینی کو تعمیر، انہدام، تباہی و بربادی لوٹ مار کا کئی مرتبہ سامنا ہوا اسی طرح روضۂ حضرت عباسؑ کو بھی سامنا ہوا کیا۔

جناب عباس دنیا میں اپنی شجاعت و بہادری ہیبت و جلال میں مشہور ہیں اسی لیے آپ کو ضیغم اور غضنفر کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ہر ملک اور ہر خطہ زمین کے بسنے والے شیعہ اور غیر شیعہ آپ کی زیارت کو آتے ہیں۔ ہدایا اور نذریں خوف و ہراس اور امید اور آرزو کے ساتھ چڑھاتے ہیں، خوف و ہراس آپ کی سطوت و دبدبہ ہے۔ چنانچہ کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ آپ کا نام لے کر جھوٹی قسم کھا سکے اور اس بارے میں طرح طرح کے واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ اور امید و آرزو آپ کے فیض و کرم سے کہ آپ کے توسط سے ان کی حاجتیں بر آئیں گی۔

خاندانِ ہاشمی کی خدمات

۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کے بعد صوبہ عراق پر شاہ فیصل کی حکومت قائم ہوئی۔ انھوں نے بھی عتباتِ عالیات پر بڑی توجہ کی بلغس نفیس اس کے معاملات میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ پٹرول کی آمدنی سے یا سرکاری اوقاف سے بڑی بڑی رقمیں حائر حسینی کی مرمت و اصلاح کے لیے مخصوص کیں۔ اسی طرح اُن کے ولی عہد نے بھی گہرا انہماک ظاہر کیا۔ مشاہد مقدسہ کی خدمت میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔